nted by
Ahmad

جملہ حقوق محفوظ

سلسلہ پیسہ لائبریری نمبر ۲۴

اِنصاف کی کہانیاں

مرتبہ

سیّد امتیاز علی تاج

سنہ ۱۹۴۶ء

دار الاشاعت پنجاب لاہور

بار سوم

قیمت ۱۰

دیباچہ

یہ کتاب پیسہ لائبریری کی چوبیسویں کتاب ہے ؞

پیسہ لائبریری کا سلسلہ دو خیالوں سے شروع کیا گیا ہے۔ ایک تو اس خیال سے کہ لڑکوں کو پڑھنے کے لئے اپنے اسکول کی کتابوں کے علاوہ دوسری اعلیٰ کتابیں برابر ملتی رہیں۔ اور دوسرے اس خیال سے کہ انہیں اپنے جیب خرچ کا کچھ حصہ ا
شوق کی کتابوں پر صرف کرنے کی عادت پڑے ؞

پہلی غرض کے لئے کوشش کی جائے گی۔ کہ اس سلسلہ کی ایک کتاب ہر مہینے چھاپی جائے۔ اور اس میں ایسی دلچسپ کہانیا
درج کی جائیں جن کی زبان پُرلطف اور پیاری ہو۔ تاکہ بچے انہیں
شوق سے پڑھیں۔ اور اُن میں آگے چل کر اچھی کتابیں پڑھنے او
ان سے لطف اُٹھانے کا شوق پیدا ہو ؞

دوسری غرض کے لئے ضروری ہے۔ کہ بچے ان کتابوں کو خریدنے کا بوجھ اپنے ماں باپ اور بزرگوں پر نہ ڈالیں۔ بلکہ جیں

طرح اپنے جیب خرچ کے پیسے مٹھائی، پھل اور دِل بہلاؤ کی
دوسری چیزوں پر خرچ کرتے ہیں۔ اسی طرح کتابوں پر بھی خرچ کریں۔

اپنے جیب خرچ میں سے ایک پیسہ ہر روز بچا کر وہ اِس
سلسلہ کی ایک نئی کتاب ہر مہینے حاصل کر سکتے ہیں۔ ایک پیسہ ہر روز
بچانے سے مہینے کے آخر میں اُن کے پاس ۷ ۔ ۸ جمع ہو جائیں گے
ان ساڑھے سات آنوں کے وہ ڈاک کے ٹکٹ خرید لیں۔ ایک
آنے کا ٹکٹ لفافے پر لگا کر باقی ۶۔۸ ہمیں بھیج دیں۔ ان ساڑھے چھ
آنوں میں سے ۸ر تو یوں خرچ ہوں گے۔ کہ کتاب ٹکٹ لگا کر اور
ڈاکخانہ سے پوسٹل سرٹیفکیٹ لے کر انہیں بھیجی جائے گی۔ باقی ۶۔۸
میں انہیں سو صفحوں سے زیادہ کی کہانیوں کی ایک خوب صورت
کتاب دی جایا کرے گی ؛

ہمیں امید ہے یہ سلسلہ لڑکے اور لڑکیوں میں بیحد مقبول ہوگا
اس کے متعلق سب ضروری باتیں، وہ دفتر اخبار "پھول" سے پمفلٹ
پیسہ لائبریری منگا کر معلوم کر سکتے ہیں ؛

سید امتیاز علی تاج

نمبر شمار	کہانی	صفحہ
١	وینس کا سوداگر	٧
٢	عقل مند قاضی	٣٦
٣	قاضی اور خلیفہ	٦٣
٤	قاضی کا انصاف	٧٣
٥	قاضی صاحب کی دانائی	٧٥
٦	عقلمند کا فیصلہ	٨٠
٧	دانا قاضی	٨٦
٨	نقدی کا تھیلا	٩٢
٩	دو مسافر	١٠١
١٠	انصاف کی بات	١١٠

نوٹ

کاغذ نایاب ہو جانے کے باعث پیسہ لائبریری کے سلسلہ کی نئی کتابیں اِن دنوں نہیں چھپ رہیں۔ کاغذ کی کمی دُور ہو جانے کے بعد پھر چھپنی شروع ہو جائیں گی۔ پہلی چھپی ہوئی چالیس کتابوں میں سے ہر ایک اب ۱۰ ار میں دفتر سے مل سکتی ہے۔

مہتمم دارالاشاعت پنجاب لاہور

وِنیس کا سَوداگر

(۱)

مُلک اٹلی میں بحیرۂ ایڈریاٹک کے کنارے
ایک خُوب صُورت شہر آباد ہے۔ جس کا نام وِنیس
ہے۔ اس شہر میں شائیلاک نامی ایک امیر کبیر لیکن
پرلے درجے کا ظالم اور سنگ دِل یہودی رہتا
تھا۔ جو روپیہ سُود پر دینے کا کاروبار کرتا تھا۔
تمام مُلک میں اُس کی امیری کی شُہرت تھی لیکن
ساتھ ہی وُہ بدنام بھی بُہت تھا۔ کیونکہ وُہ لوگوں
کو قرض تو بڑی خوشی سے دے دیتا لیکن قرض

وِنیس کا سوداگر

(۱)

مُلک اٹلی میں بحیرۂ ایڈریاٹک کے کنارے
ایک خوب صُورت شہر آباد ہے۔ جس کا نام وِنیس
ہے۔ اس شہر میں شائیلاک نامی ایک امیر کبیر لیکن
پرلے درجے کا ظالم اور سنگ دِل یہودی رہتا
تھا۔ جو روپیہ سُود پر دینے کا کاروبار کرتا تھا۔
تمام مُلک میں اُس کی امیری کی شہرت تھی لیکن
ساتھ ہی وُہ بدنام بھی بہت تھا۔ کیونکہ وُہ لوگوں
کو قرض تو بڑی خوشی سے دے دیتا لیکن قرض

کی میعاد گزر جانے پر اپنا روپیہ بڑی بے رحمی
سے اپنے مقروضوں سے وصول کیا کرتا تھا۔ یہی
وجہ تھی۔ کہ ہر بھلا آدمی اُس کا ذکر بُرائی کے سا
کیا کرتا ❊

جن لوگوں کو شائیلاک سے انتہائی نفرت تھی
اُن میں وِنیس کا ایک نوجوان تاجر اینٹونیو بھی
تھا۔ وُہ مصیبت زدہ لوگوں کو اُن کی ضرورت کے
وقت بڑی بڑی رقمیں بطورِ قرض دے دیتا۔
اور سُود کی ایک پائی تک اُن سے نہ لیتا۔ ظا
ہے۔ کہ اینٹونیو کے اِس طرزِ عمل سے شائیلاک
کے کاروبار کو بُہت صدمہ پُہنچتا تھا۔ یہی وجہ تھی
کہ اگر ایک طرف اینٹونیو کو شائیلاک سے نفرت
تھی۔ تو دُوسری طرف شائیلاک کی آنکھ میں اینٹونیو
خار بن کر کھٹکتا تھا ❊

جب بھی اینٹونیو کو شائیلاک سے مِلنے کا

جب اینٹونیو جیسا متموّل اور فراخ دل تاجر اُس کی دوستی کا دم بھرتا تھا۔ بیسینیو کو جب کبھی ضرورت پڑتی۔ وُہ بڑی بے تکلفی سے روپیہ اینٹونیو سے لے لیتا تھا۔ آپس میں اُن کی اتنی محبت تھی۔ کہ لوگ انہیں ایک جان دو قالب کہا کرتے تھے ۔

(۲)

ایک دِن بیسینیو اینٹونیو کے پاس آیا۔ اور کہنے لگا: "دوست تم جانتے ہو۔ کہ میری جائداد اُجڑ چُکی ہے۔ میری حالت نئے سرے سے ٹھیک ہونے کا بظاہر کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ اب اس کا صرف ایک ہی طرِیقہ سمجھ میں آتا ہے۔ وُہ یہ کہ مَیں کسی امیر عورت سے شادی کر لُوں۔ مجھے پورشیا نامی ایک امیر کبیر عورت سے محبّت ہے۔ اُس کا باپ مرتے وقت اس کے لئے بہت سی جائداد چھوڑ گیا ہے۔ خود پورشیا بھی مجھے چاہتی اور مجھ سے

شادی کرنے کی خواہش مند ہے۔ لیکن اُس سے
شادی کرنے میں صرف ایک ہی مشکل دِکھائی دیتی
ہے۔ وُہ یہ کہ میرے پاس روپیہ نہیں۔ ظاہر ہے
کہ اِتنی امیر کبیر عورت سے شادی کرنے کے
لئے بُہت سے روپے کی ضرورت ہے۔ تاکہ لوگ
اُسے یہ طعنہ نہ دیں۔ کہ کیوں ایک ایسے آدمی سے
شادی کر لی۔ جس کے پاس روپیہ نہیں۔ اور جس کا
گھر ضروری ساز و سامان تک سے آراستہ نہیں ہے
اینٹونیو کے پاس روپیہ ہوتا۔ تو وُہ اسی وقت
چُپ چاپ اُٹھتا۔ اور مطلوبہ روپے کی تھیلیاں لا کر
بیسینو کے سامنے ڈھیر کر دیتا۔ مگر اتفاق کی بات
اینٹونیو اُس وقت خالی ہاتھ تھا۔ کیونکہ وُہ بہت
تجارتی مال خرید کر جہازوں پر دُوسرے مُلکوں کو
روانہ کر چکا تھا۔ جب تک جہاز واپس نہ آجاتے
اُس کے لئے اپنے دوست کو روپیہ دینا کسی طرح

ممکن نہ تھا۔ لیکن پھر بھی بیسینیو کی امداد سے مُنہ موڑنا اُسے گوارا نہ ہوا۔ چونکہ جہازوں کے واپس آنے پر اُسے بہت سا روپیہ وصُول ہونے کی اُمید تھی۔ اِس لئے اُس نے یہ طے کیا۔ کہ اِس موقعہ پر اپنے دوست کو شائیلاک سے رقم قرض لے دے۔ اور جہاز واپس آجانے پر شائیلاک کو روپیہ لوٹا دے ؂

(۳)

چنانچہ اینٹونیو اور بیسینیو دونوں شائیلاک کے ہاں پہنچے۔ اور اُس سے روپیہ طلب کیا۔ اینٹونیو کی درخواست سُن کر شائیلاک کے ہونٹوں پر عیاری اور مکاری کی مُسکراہٹ کھیلنے لگی۔ وُہ اپنے دِل میں سوچنے لگا۔ کہ ہوں۔ اب چڑھا یہ شخص میرے ہتے۔ ایسا نادر موقع پھر ہاتھ نہ آئے گا۔ بچّہ جی کو ایسی پٹخنی دو۔ کہ چاروں شانے چت گریں ؂

اینٹونیو شائیلاک کے تیور پہچان گیا۔ اور اُسے خاموش دیکھ کر بولا" شائیلاک سُنا نہیں۔ مَیں نے کیا کہا؟"

شائیلاک مُسکرا کر کہنے لگا" سُنا کیوں نہیں۔ بلکہ اِس سے پہلے بھی آپ سے بہت کُچھ سُن چُکا ہُوں۔ کئی مرتبہ آپ مجھ پر پھبتیاں کس چُکے ہیں۔ میرے اعمال کو کوس چُکے ہیں۔ میرے کاروبار پر نفرین بھیج چُکے ہیں۔ میری اور میری قوم کی شان میں نازیبا کلمے کہہ چُکے ہیں۔ آپ نے کئی مرتبہ مجھے کنگھنا کُتا کہا ہے۔ میرے قومی لباس پر حقارت سے تھوکا ہے۔ اور مَیں یہ سب کُچھ صبر شُکر سے برداشت کرتا رہا ہُوں۔ کرنا خدا کا۔ آج آپ کو میری مدد کی ضرورت پڑ گئی ہے؟ لیکن حضورِ والا! کیا کوئی کُتّا بھی کسی کو مدد دے سکتا ہے؟"

اینٹونیو نے بے فکری سے جواب دیا۔" خاطر

جمع رکھو۔ جو کچھ میں تم کو اب تک کہتا آیا ہوں۔ وہی سب کچھ آیندہ بھی کہوں گا۔ تمہارے مُنہ پر تھُوکوں گا بھی۔ تمہیں گالیاں بھی دُوں گا۔ اور تمہیں کُتا بھی کہوں گا۔ اگر تم مجھے روپیہ قرض دینا چاہتے ہو۔ تو دوست سمجھ کر نہیں صرف کاروبار کے خیال سے بلکہ مجھے اپنا دُشمن سمجھ کر دو۔ اور اگر میں روپیہ وقت پر ادا نہ کروں۔ تو ضرور مجھ سے کوئی ایسا اِنتقام لو۔ جس سے تمہارا کلیجہ ٹھنڈا ہو اور تمہارے دِل کی اُمید بر آئے"۔

شائیلاک نے اب پینترا بدلا۔ ہنس کر بولا۔ "میاں آنکھیں کیوں دِکھانے لگے۔ میں نے تو ایک بات کہی تھی۔ ویسے قرض دینے کو حاضر ہُوں۔ شوق سے لو۔ میں تو مرنجان مرنج آدمی ہُوں۔ گئی گزری باتیں کبھی دِل میں رکھتا نہیں۔ ہمیشہ بُھلا دِیا کرتا ہُوں۔ جتنے روپے کی ضرورت ہو حاضر کردُوں

مجھے تو تم سے اس کا سود بھی لینا منظور نہیں۔"

اینٹونیو شائیلاک کا یہ نرم رویّہ دیکھ کر بہت حیران ہوا۔ اسے کیا معلوم تھا۔ کہ یہ چکنی چپڑی باتیں اور یہ آؤ بھگت اُسے اپنے جال میں پھنسانے کے لئے کی جا رہی ہے۔ بولا "جب دوسروں سے سود لیتے ہو۔ تو مجھ سے کیوں نہ لو؟"

شائیلاک نے کہا "تم بھی کاروباری آدمی میں بھی کاروباری آدمی۔ کب کب تمہیں مجھ سے روپیہ قرض لینے کی ضرورت پڑتی ہے۔ تم سے سود لیتا میں کیا بھلا معلوم ہوں گا۔ تم تو بس ایک تمسک پر دستخط کر دو۔ جس کی ایک شرط یہ ہوگی کہ مقررہ تاریخ پر اگر تم نے روپیہ ادا نہ کیا۔ تو میں تمہارے جسم کے جس حصّہ سے چاہوں گا۔ ایک پونڈ گوشت کاٹ لوں گا۔"

اینٹونیو نے ہنس کر کہا "بڑی انوکھی شرط ہے

لیکن اگر تمہارا اطمینان یہی شرط کر کے ہوتا ہے۔ تو مجھے منظور ہے۔ لاؤ روپیہ اور تمسک"۔ مگر بسینیو نے اُسے روک دیا۔ "نہ بھئی ایسی خطرناک شرط پر روپیہ لینے سے میں باز آیا۔ مجھے روپے سے زیادہ تمہاری جان عزیز ہے"۔

لیکن اینٹونیو نے کہا "ارے بھئی اس میں خطرے کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مقررہ تاریخ سے پہلے میرے جہاز واپس آجائیں گے۔ اور میں روپیہ ادا کر دوں گا"۔

شائیلاک اِن دونوں کو اپنے جال میں پھنسانے کے لئے بولا۔ "تم عیسائی لوگ ہوتے بڑے شکی ہو۔ آخر اِس شرط میں خطرے کی کیا بات ہے۔ اینٹونیو کا ایک پونڈ گوشت بھلا میرے کس کام آسکتا ہے گائے بکری کا گوشت تو ہے نہیں۔ کہ کھانے کے کام آئے گا یا بک جائے گا۔ میں نے تو یہ شرط

صرف اِس خیال سے رکھ دی ہے۔ کہ مقررہ تاریخ
سے پہلے تم میرا روپیہ مجھے لوٹا ضرور دو۔ ورنہ
سچ یہ ہے کہ مَیں تو اینٹونیو کو اپنا دوست بنا لینے
کی خاطر اِتنا روپیہ بلا سُود دے رہا ہُوں۔ اگر
آپ کی مرضی ہو تو لیجئے۔ ورنہ اپنی راہ پکڑئیے"
اِس تمام گفتگو کا نتیجہ یہ نِکلا۔ کہ بیسینیو کے
روکنے کے باوجود اینٹونیو نے تمسک پر دستخط
کر کے روپیہ لے لیا۔ اور اپنے دوست کے
حوالے کر دِیا۔ کیونکہ اُسے کسی طرح یہ منظور نہ
تھا۔ کہ دوست اس سے کوئی فرمائش کرے۔ اور
وُہ اُسے رد کر ڈالے ۔

(۴)

پورشیا جس سے بیسینیو شادی کرنا چاہتا تھا
وِینس کے قریب ایک مقام بلمونٹ میں رہتی
تھی۔ بیسینیو فوراً اپنے ایک عقیدت مند دوست

گریشی اینو کے ہمراہ بلمونٹ روانہ ہو گیا۔ اور وہاں
پہنچ کر پورشیا سے شادی کی درخواست کی۔ کہا
"دولت میں لُٹا چکا۔ جائداد اب میرے پاس
رہی نہیں۔ اگر مجھ میں کوئی خوبی ہے۔ تو صرف
اتنی۔ کہ ایک اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتا ہوں
اگر تمہارے دِل میں دَولت کی بجائے خاندانی
شرافت کی قدر زیادہ ہو۔ تو میری درخواست
پر ہمدردانہ غور کر دیکھو"۔

پورشیا پہلے ہی بیسینیو کو چاہتی تھی۔ کہنے لگی
"بیسینیو تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ مجھے دولت کی
کیا ضرورت؟ دولت میرے پاس بے اندازہ
ہے۔ یہ سب دولت میں تمہیں دے ڈالوں گی۔
اپنے جن نوکروں پر میں حکومت کرتی ہوں۔ تم
صرف اُن ہی پر نہیں بلکہ خود مجھ پر بھی حکومت کرو گے۔
میری دولت میری نہیں، تمہاری ہے۔ جب میں

اپنے آپ کو تمہارے حوالے کردوں گی۔ تو دولت کس شمار قطار میں ہے۔ تم ایسی باتیں کیوں کرتے ہو۔ تمہاری بیوی کہلانا میرے لئے باعثِ عزّت ہوگا"۔

پورشیا کو مہربان دیکھ کر بیسینیو کو بہت خوشی ہوئی۔ اُنہوں نے مل کر شادی کا ایک دن مقرّر کیا۔ اور مقرّرہ تاریخ پر نہایت دھوم دھام سے اُن کی شادی ہوگئی۔

بیسینیو کے دوست گریشیانو کو جو وینس سے اُس کے ہمراہ بلمونٹ آیا تھا۔ پورشیا کی ایک سہیلی نریسا سے محبت تھی۔ بیسینیو نے پورشیا سے اُس کا ذکر کیا۔ اور پورشیا سے اپنے شوہر کی سفارش پر نریسا کو گریشیانو سے شادی کرنے پر رضامند کرلیا۔

(۵)

بیسینیو کو پورشیا سے اور پورشیا کو بیسینیو سے بے حد محبت تھی۔ جب اُن کی شادی ہو گئی۔ تو اُن کی زندگی انتہائی مسرت سے کٹنے لگی۔ لیکن ایک دِن یکایک اُن کی یہ خوشی غم میں تبدیل ہو گئی۔ اینٹونیو کا قاصد بیسینیو کے پاس اینٹونیو کا ایک خط لے کر آیا۔ جسے پڑھتے ہی بیسینیو کا مُنہ فق ہو گیا ؂

پورشیا نے جب اپنے شوہر کے چہرے پر ایک رنگ آتا ایک رنگ جاتا دیکھا۔ تو گھبرا کر کہنے لگی " بیسینیو کیا بات ہے ؟ اِس خط میں کیا لِکھا ہے۔ مَیں بھی تو دیکھوں۔ تمہارا رنگ کیوں اُڑا جا رہا ہے ؟"

بیسینیو نے اپنی نگاہیں جُھکا لیں۔ اور ٹھنڈی سانس بھر کر کہنے لگا۔" پورشیا! شادی سے پہلے

مَیں نے تُمہیں بتا دِیا تھا۔ کہ مَیں اپنی دَولت ختم کر چُکا ہُوں۔ میری جائداد میرے ہاتھوں سے نِکل چکی ہے۔ شادی کے لئے مَیں نے اپنے عزیز ترین دوست اینٹونیو کی معرفت کُچھ روپیہ بطورِ قرض لیا تھا" اینٹونیو نے شائیلاک سے روپیہ کِس شرط پر قرض لے کر دِیا تھا۔ اُس کا سارا حال سُنا کر، بیسینیو نے کہا" یہ خط جو مُجھے ابھی ابھی موصول ہُوا ہے اینٹونیو کا ہے۔ اِس میں اُس نے لِکھا ہے۔ کہ میرے تمام جہاز غرق ہو گئے۔ اور شائیلاک کا روپیہ مقررہ تارِیخ پر ادا نہ ہو سکا۔ اب مُجھے اپنے جسم کے کسی حِصّہ سے اُسے ایک پونڈ گوشت دینا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اِس کے بعد میرے لئے زندہ رہنا ناممکن ہے۔ اِس لئے پیارے دوست مَیں چاہتا ہُوں کہ مرنے سے پہلے ایک بار تُمہیں دیکھ لوں۔ ہو سکے

تو جلدی آجاؤ۔"

پورشیا کہنے لگی "اُف بیسینیو۔ فوراً تمام کام روک دو۔ اور اس سے پہلے کہ تمہارے دوست کا بال تک بینکا ہو۔ قرض کی رقم سے بیس گنا روپیہ مجھ سے لے کر شائیلاک کا قرضہ ادا کردو۔"

بیسینیو فوراً بہت سا روپیہ لے کر وینس روانہ ہو گیا۔ جہاں اُس نے اپنے دوست کو حوالات میں دیکھا۔ بیسینیو نے شائیلاک کو قرض کی رقم واپس کرنی چاہی۔ لیکن اُس نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا۔ کہ اب ادائیگی کا مقررہ دن گزر چکا ہے۔ بیسینیو نے اُسے اصل رقم سے بیس گنا زیادہ روپیہ پیش کیا۔ لیکن شائیلاک نے اُسے لینے سے بھی انکار کر دیا۔ اور کہا۔ اب تو میں ایک پونڈ گوشت ہی لُوں گا۔"

شائیلاک نے ڈیوک آف وینس کی عدالت

میں اینٹونیو کے خلاف دعویٰ دائر کر دیا تھا۔ اب بسینیو کر ہی کیا سکتا تھا۔ مقدمے کی کارروائی کا بے چینی سے انتظار کرنے لگا ؂

(۶)

ادھر پورشیا بھی اپنے شوہر کے دوست کو مصیبت سے رہائی دلانے کے لئے بہت بے قرار تھی۔ بھلا وُہ کیونکر یہ گوارا کر سکتی تھی۔ کہ جس شخص نے اُس کے شوہر کی مدد کرنے کو اپنی جان تک خطرے میں ڈال دی ہو۔ اُس کی جان بچانے کے لئے وُہ خُون پسینہ ایک نہ کر دے؟ بُہت سوچ بچار کے بعد اُس نے اپنے چچازاد بھائی ڈاکٹر بلیریو کے نام جو ایک مشہور بیرسٹر تھا۔ اور پیڈوا میں رہتا تھا۔ ایک لمبا چوڑا خط لکھا۔ جس میں مقدمے کی تمام ضروری باتیں درج کر دیں۔ اور اس کے متعلق اُس کی رائے پُوچھی۔ اور یہ بھی لکھا۔ کہ

اِس مقدمے میں میں خود بیرسٹر بن کر پیش ہونا چاہتی ہوں۔ اِس لیئے مجھے اپنا اور اپنے منشی کا عدالتی لباس بھیج دو"۔

یہ خط اپنے ملازم کو دے کر اُس نے کہا۔ کہ "اسے فوراً ڈاکٹر بلیریو کے پاس لے جاؤ۔ وُہ تمہیں اس کے جواب کے ساتھ ایک پارسل دے دیں گے۔ تم اُسے لے کر فوراً میرے پاس وینس پہنچ جانا۔ میں تمہاری منتظر رہوں گی"۔

اپنے نوکر کے ہاتھ خط روانہ کرنے کے بعد پورشیا اپنی سہیلی نریسا کو لے کر فوراً وینس روانہ ہو گئی۔ اور عین اُس دن وہاں جا پہنچی۔ جس دن مقدمہ پیش ہونے والا تھا۔ اُس نے خود تو ڈاکٹر بلیریو کا عدالتی لباس پہنا۔ اور اپنی سہیلی نریسا کو منشی کا لباس پہنا دیا۔ اور عدالت کو روانہ ہو گئی۔

(۷)

عدالت تماشائیوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ اینٹونیو بے حد ہر دل عزیز انسان تھا۔ شہر کا ہر شخص اُس کے مقدمے کی کارروائی سُننا چاہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ عدالت میں خلقِ خدا ٹوٹ پڑی تھی۔

پورشیا اور نریشیا دونوں مردانہ لباس پہنے ہوئے نہایت شان کے ساتھ ہجوم کو چیرتی ہوئی ڈیوک آف وِینس کے پاس جا پہنچیں۔ اُسے اُنہوں نے ڈاکٹر بلیریو کا خط دے دیا۔ اِس خط میں ڈاکٹر بلیریو نے لکھا تھا۔ کہ "میں اینٹونیو کے مقدمے کی پیروی کرنے کے لئے خود تو حاضر نہیں ہوسکا۔ البتہ ایک نہایت قابل اور نوجوان بیرسٹر ڈاکٹر لیلیتھاؤلہ کو بھیج رہا ہوں۔ میں نے اسے مقدمے کے تمام حالات بتا دئیے ہیں۔ اور مجھے پوری

پوری اُمید ہے۔ کہ وہ نہایت قابلیت سے مقدمے کی پیروی کرے گا"۔

ڈیوک نے نوعمر بیرسٹر (پورشیا) کو مقدمے کی پیروی کرنے کی اجازت تو دے دی۔ مگر وہ حیران تھا۔ کہ یہ نوعمر بیرسٹر اتنے بڑے اور پیچیدہ مقدمے کی پیروی کیونکر کر سکے گا۔

اِدھر پورشیا اور نریشیا نے بیرسٹر اور کلارک کا لباس اس ڈھب سے پہن رکھا تھا۔ کہ اُن کے شوہر تک جو غم کے مارے اپنا سر جھکائے کھڑے تھے۔ اُنہیں نہ پہچان سکے۔

جب مقدمے کی کارروائی شروع ہوئی۔ تو پورشیا نے شائیلاک کو مخاطب کر کے ایک دل ہلا دینے والی تقریر کی۔ جس میں اُس نے شائیلاک سے رحم کی درخواست کی۔ اور بتایا کہ خلقِ خدا پر رحم کھانا ایک ایسی نیکی ہے۔ جس کا جواب نہیں

ہو سکتا۔ اور دُنیا میں سب سے اچھی چیز نیکی ہی
ہے۔ اور آخرت میں اس کا اجر بہت بڑا ہے"
پورشیا کی تقریر اِتنی لمبی اور ایسی پُر اثر تھی
کہ اگر کسی کا پتھر کا دِل بھی ہوتا۔ تو موم ہو جاتا۔
مگر ظالم شائیلاک کا دِل نہ پسیجا۔ اُس نے روپیہ
لینے سے انکار کر دیا۔ اور کہا۔ کہ" ادائیگی کی مدت
گزر چکی ہے۔ اب تو میں اینٹونیو کے گوشت کے
سوا اَور کچھ نہ لوں گا۔ اور آپ کے ہر سوال کے
جواب میں بار بار اسی فقرے کو دُہراتا رہوں گا"
اس پر بسینیو نے کہا" شائیلاک صاحب
آپ اپنی رقم سے کئی گُنا زیادہ روپیہ لے سکتے
ہیں" لیکن شائیلاک نے زیادہ روپیہ لینے سے
بھی صاف انکار کر دِیا۔ وُہ اپنے دُشمن سے اِنتقام
لینا چاہتا تھا۔ اور اس کا اِس سے بہتر موقع اُسے
پھر کبھی نہ مل سکتا تھا۔

اب بسینیو اور بھی بے قرار ہو گیا۔ اور بڑی لجاجت کے ساتھ پورشیا سے کہنے لگا" بیرسٹر صاحب خدا کے لئے کوئی قانونی مین میخ نکال کہ میرے دوست کی جان بچائیے۔ اپنا دوست مجھے دُنیا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے"۔

لیکن پورشیا نے نہایت بے دِلی سے جواب دِیا" حضرت قانون ایک مرتبہ بن چکا۔ اُسے کسی کی خاطر اب بدلا نہیں جا سکتا"۔

شائیلاک نے جب پورشیا کے مُنہ سے یہ فقرہ سُنا۔ تو سمجھا کہ نوجوان بیرسٹر میری حمایت کر رہا ہے۔ چنانچہ چلّا کر کہنے لگا" کیسی سچّی بات کہہ دی آپ نے۔ آپ اپنے وقت کے نوشیروان عادل ہیں۔ اے نوجوان بیرسٹر۔ میرے دِل میں تیری عزّت کِس قدر بڑھ گئی ہے۔ تو اگرچہ عُمر میں چھوٹا ہے۔ لیکن تجربے اور عقل میں بڑے بُوڑھوں سے بازی

لے گیا ہے"۔

اس کے جواب میں پورشیا نے کہا: "لیکن
انصاف کی جو بات میں نے کہی۔ اس کے ساتھ
ہی میرا خیال یہ ہے۔ کہ تمہیں اس شخص پر رحم کھانا
چاہیئے۔ روپیہ لے لو۔ اور مجھے تمسک پھاڑ دینے
کی اجازت دے دو"۔

اِس پر ڈیوک آف وِنِس نے بھی بیرسٹر کی
تائید کی لیکن سنگ دِل شائیلاک کب ماننے والا
تھا۔ غصّہ سے چلّا کر کہنے لگا۔ "دُنیا کی کوئی طاقت
مجھے اپنے ارادے سے روک نہیں سکتی۔ مَیں تو
ایک پونڈ گوشت ہی لُوں گا۔ روپیہ نہیں لُوں گا
روپے کی ادائیگی کی تاریخ گزر چکی ہے"۔

پورشیا آہ بھر کر بولی "تو مجبوری۔ صبر کے سوا
چارہ نہیں۔ اینٹونیو۔ اپنے سینے پر چاقو کی ضرب
سہنے کے لئے تیار ہو جاؤ"۔

یہ سُنتے ہی شائیلاک پتھر کی ایک سِل پر خوشی خوشی اپنا چاقو تیز کرنے لگا۔ حاضرین پر ایک خوف ناک سنّاٹا چھا گیا۔ اور ہر دل خوف سے دھک دھک کرنے لگا ⁂

پورشیا اینٹونیو سے مخاطب ہو کر کہنے لگی۔ "مرنے سے پہلے تمہیں کُچھ کہنا ہے؟"

اینٹونیو نے جواب دیا۔ "مجھے کُچھ نہیں کہنا۔ مَیں مرنے کے لئے تیار بیٹھا ہُوں"

اس کے بعد اینٹونیو بیسینیو کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ "بیسینیو خدا حافظ۔ گوشت کاٹے جانے کے صدمہ سے مَیں زندہ نہ بچوں گا۔ میری موت سے پہلے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دو۔ اور دیکھو اِس بات کا غم نہ کرنا۔ کہ تمہاری وجہ سے مَیں اِس مصیبت میں مُبتلا ہُوا۔ اپنی بیوی کو میرا سلام کہہ دینا۔ اور اُسے بتا دینا۔ کہ مجھے تم

سے کس قدر محبت تھی "

یہ سُن کر بسینیو کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ وہ بولا " اینٹونیو مجھے اپنی بیوی اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے۔ لیکن تمہاری جان بچانے کے لئے میں اپنی جان اور اپنی بیوی اور تمام دُنیا نثار کرنے کے لئے تیار ہوں۔ کاش کوئی ایسی صورت پیدا ہو جاتی۔ جس سے میں تمہیں اِس خوف ناک مصیبت سے رہائی دلا سکتا "

پورشیا نے جب دیکھا۔ کہ اُس کے شوہر کو اپنے دوست سے اِس قدر محبت ہے۔ کہ اُسے بچانے کے لئے اپنی بیوی تک کو قربان کرنے کے لئے تیار ہے۔ تو اُسے ذرا بھی افسوس نہ ہُوا۔ بلکہ وُہ خوش ہوئی۔ کہ میرے شوہر کو اپنے دوست سے اِس قدر سچی محبت ہے۔ لیکن وُہ

بیسینیو سے مذاق کے طور پر کہنے لگی "اگر تمہاری بیوی تمہاری زبان سے یہ الفاظ سُنتی۔ تو میرا خیال ہے وُہ بہت خوش ہوتی ؎

گریشی اینو نے بھی اپنے دوست کی ہاں میں ہاں ملائی۔ بولا" گو مجھے اپنی بیوی سے بے حد محبت ہے۔ مگر میں چاہتا ہُوں۔ کہ کاش وُہ اِس وقت آسمان پر ہوتی۔ اور فرشتوں کو اِس بات پر آمادہ کرتی۔ کہ وُہ اِس سنگ دِل یہودی کا دِل موم کر دیں" ؎

نریسا جو کلارک کا لباس پہنے پورشیا کے پاس کھڑی تھی۔ بولی" تمہاری بیوی اِس وقت یہاں موجود نہیں۔ ورنہ تمہارے اِن الفاظ کا شکریہ ضرور ادا کر سکتی" ؎

شائیلاک چلا اُٹھا" آپ لوگ ہنسی مذاق میں وقت کیوں ضائع کر رہے ہیں۔ مہربانی فرما کر اپنا

حکم سُنائیے"۔

اب عدالت پر ایک سنّاٹا چھا گیا۔ ہر دِل میں اینٹونیو کے لئے رحم اور افسوس اُبل رہا تھا۔

پورشیا بولی "کیا ایک پونڈ گوشت تولنے کے لئے ترازو موجود ہے؟"

شائیلاک نے لپک کر ترازو اُٹھا لیا۔ اور بولا "یہ رہا"۔

پورشیا بولی "شائیلاک! میرے خیال میں کسی ڈاکٹر کو بُلا لینا چاہیئے۔ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ گوشت کٹتے سے اینٹونیو کا زیادہ خُون بہ جائے اور وُہ مر جائے"۔

شائیلاک جس کی دِلی خواہش تھی۔ کہ اینٹونیو مَوت کے گھاٹ اُتر جائے۔ بولا "تمسک میں کوئی ایسی شرط نہیں۔ جس کا خیال رکھ کر مجھے ڈاکٹر لانے کی ضرورت ہو"۔

پورشیا بولی "اگر یہ شرط تمسک میں نہیں لکھی جب بھی کیا ہے۔ آخر دُنیا میں رحم بھی تو کوئی چیز ہے"۔

شائیلاک کڑک کر بولا۔ "میرے تمسک میں رحم وحم کا کوئی ذِکر نہیں"۔

پورشیا نے کہا "شائیلاک تم اینٹونیو کو رحم بِھیک میں دو"۔

شائیلاک نے جواب دِیا۔ "میرے تمسک میں اس کا بھی ذکر نہیں ہے"۔

نوجوان بیرسٹر (پورشیا) کی آنکھیں چمک اُٹھیں وہ کہنے لگی۔ "بہت خوب۔ تم اینٹونیو کے جسم سے ایک پونڈ گوشت لے سکتے ہو۔ قانون اس کی اجازت اور عدالت اس کی منظوری دیتی ہے تم اینٹونیو کے سینے سے ایک پونڈ گوشت کا ٹکڑا کاٹ لو"۔

گوشت کے ساتھ تُو نے ایک عیسائی کے خُون کا ایک قطرہ بھی بہایا۔ تو قانُون کو حق حاصل ہے۔ کہ اِس جُرم کی سزا میں تیری ساری جائداد ضبط کرلے"۔

بھلا خُون بہائے بغیر شائیلاک کس طرح اینٹونیو کے جسم سے ایک پونڈ گوشت کاٹ سکتا تھا؟ قانُون کا یہ نکتہ سُن کر شائیلاک کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اُس کا سر گھُومنے لگا۔ اینٹونیو اور بیسینیو کے چہروں پر خوشی کی سُرخی دَوڑ گئی۔ اور تمام حاضرین دانا بیرسٹر کے اِس نکتے پر عش عش کر اُٹھے۔

بیسینیو کا دوست گریشی اینو عدالت کے ایک کونے سے اُچھل کر آگے بڑھا۔ اور اُس نے شائیلاک کا یہ فقرہ دُہرایا۔ "او دانا اور مُنصف جج! تو انصاف میں نوشیروان سے بھی بڑھ گیا"۔

کو اسی وقت رہا کر دیا گیا ؞

(۸)

شائیلاک کی جو نصف جائداد اینٹونیو کو مل رہی تھی۔ وُہ اُس نے شائیلاک کی لڑکی کو دے ڈالی؞ اس لڑکی نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ اور اینٹونیو کے ایک دوست سے شادی کر لی تھی۔ جس سے شائیلاک کی سخت دُشمنی تھی ؞

شائیلاک روتا دھوتا اور غم و غُصّے سے سر پیٹتا عدالت سے چلا گیا۔ اب ڈیوک آف وینِس نے پورشیا کو بُلایا۔ اور کہا "تمہاری دانائی اور قابلیت کا مجھ پر بہت اثر ہُوا۔ مَیں تمہیں آج اپنے یہاں کھانا کھانے کی دعوت دیتا ہوں" ؞

پورشیا نے ڈیوک کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ اور کہنے لگی "مجھے ایک نہایت ضروری کام ہے۔ اور آج ہی مجھے واپس جانا ہے۔ اُمید

ہے۔ کہ آپ مجھے معاف فرمائیں گے"۔

اینٹونیو اور بسینیو نے بھی نوجوان بیرسٹر کا شکریہ ادا کیا۔ جو رحمت کا فرشتہ بن کر عدالت میں آیا تھا۔ اور کہا" ہم دونوں ہمیشہ آپ کا احسان یاد رکھیں گے۔ آپ نے ہمیں تباہی سے بچا لیا"۔

اس کے بعد اُنہوں نے پورشیا کو ایک بہت بڑی رقم پیش کی۔ جسے لینے سے اُس نے انکار کر دیا۔ لیکن جب بسینیو نے بہت زور دیا۔ تو کہنے لگی" اگر ایسا ہی ہے۔ تو مجھے اپنی انگوٹھی دے دیجئے۔ میں اُسے پہنا کروں گا۔ اس سے تمہاری یاد تازہ ہوتی رہے گی"۔

بسینیو بہت سٹ پٹایا۔ اور کہنے لگا" یہ انگوٹھی تو میری بیوی نے مجھے اِس شرط پر تحفہ دی تھی۔ کہ میں جب تک زندہ رہوں گا۔ اسے

کہ میں یہاں سے چلا جاؤں"۔

بیسینیو نے آگے بڑھ کر کہا "روپیہ تو میں دے رہا ہوں۔ یہ لو"۔

لیکن پورشیا نے بیسینیو کا ہاتھ پرے جھٹک دیا۔ بولی "ابھی مقدمہ ختم نہیں ہوا۔ ایک شخص کی جان لینے کی ناجائز کوشش کے جرم میں حکومت تمہاری جائداد ضبط کرے گی۔ باقی رہا تمہاری جان بخشی کا معاملہ۔ تو وہ ڈیوک آف وینس کے اختیار میں ہے۔ مجھے اُمید ہے۔ کہ وہ زیادہ سے زیادہ اتنا کریں گے۔ کہ تمہاری جان بخش دیں۔ اور تمہارے جرم کی سزا میں تمہاری نصف دولت اینٹونیو کو دے ڈالیں"۔

ڈیوک آف وینس نے یہی فیصلہ کیا۔

حاضرین نے یہ منصفانہ اور خوش گوار فیصلہ سن کر خوشی سے تالیاں بجائیں۔ اور اینٹونیو

اپنے سے جُدا نہ کروں گا۔ مَیں اِس سے زیادہ قیمت کی انگوٹھی آپ کو خرید دیتا ہُوں"۔

پورشیا نے جواب میں بگڑ کر کہا"معلوم ہوتا ہے آپ بہانے بنانے خُوب جانتے ہیں" یہ کہہ کر غُصّہ میں بھری ہوئی عدالت سے اُٹھ کر چلی گئی۔

اینٹونیو نے بیسینیو کا کندھا ہِلایا۔ اور کہنے لگا"اِس بیرسٹر نے میری جان بچائی ہے۔ اُسے ناراض کرنا ٹھیک نہیں۔ بیوی کی ناراضگی برداشت کر لو۔ لیکن اسے خفا نہ کرو"۔

بیسینیو نے فوراً گریشی اینو کو انگوٹھی دے کر بیرسٹر کے پیچھے دَوڑایا۔ اور کہا"دیکھو بیرسٹر صاحب ابھی دُور نہ پہنچے ہوں گے۔ یہ انگوٹھی اُنہیں دے آؤ"۔

جب گریشی اینو پورشیا کو انگوٹھی دے کر واپس آیا۔ تو نرِیسا کہنے لگی"گریشی اینو صاحب۔ اب

اپنی انگوٹھی آپ میرے حوالے کر دیجئے منشی کا بھی تو کچھ حق ہوتا ہے"۔

گریشی اینو بھی بہت سٹ پٹایا۔ لیکن اُس نے دِل میں سوچا۔ کہ جب میرے دوست نے بیرسٹر کو خوش کرنے کے لئے اِتنی بڑی قُربانی کی ہے۔ تو مَیں کیوں عُذر کروں۔ چنانچہ اُس نے بھی اپنی انگوٹھی نرسیا کے حوالے کر دی۔

(۹)

اب پورشیا اور نرسیا نے فوراً مردانہ عدالتی کپڑے اُتار دِئے۔ اور جلدی سے بلمونٹ روانہ ہو گئیں۔ راستہ میں صلاح ٹھہری۔ کہ جب بسینیو اور گریشی اینو گھر پہنچیں گے۔ تو ہم اُن سے اپنی انگوٹھیاں مانگیں گے۔ اور جب وُہ ہمیں ٹالیں گے تو اُنہیں خُوب دِق کریں گے۔

اُن کے گھر پہنچنے کے کچھ عرصہ بعد اینٹونیو

بیسینیو اور گریشی اینو بھی آپہنچے۔ پورشیا نے آتے ہی پُوچھا "کہو مقدمے کا کیا بنا"؟

بیسینیو نے بتایا۔ کہ "مقدّمہ ہم جیت آئے ہیں"۔

اس کے بعد بیسینیو نے پورشیا سے اپنے دوست اینٹونیو کو مِلایا۔ اور کہا "یہی میرے عزیز ترین دوست اینٹونیو ہیں۔ جنہوں نے میری خاطر اپنی جان تک خطرے میں ڈال لی تھی"۔

اس کے بعد بیسینیو کے مقدّمے کا سارا حال سُنایا۔ اور کہا "خدا نے ایک بیرسٹر رحمت کا فرِشتہ بنا کر عدالت میں بھیج دیا تھا۔ اگر وُہ نہ آجاتا۔ تو ہم سب بیسینیو کی زِندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے"۔

اس کے بعد باتوں باتوں میں پورشیا اور نِریسیا نے اپنے اپنے خاوند سے پُوچھا "آج ہاتھ کیوں خالی ہیں۔ انگوٹھیاں کیا ہوئیں"؟

بیسینیو اور گریشی اینو نے کہا "وُہ تو ہم نے

بیرسٹر اور اُس کے منشی کو دے ڈالیں۔ ہم دینا نہ چاہتے تھے۔ مگر وُہ دونوں انگوٹھیوں کے سوا اَور کچھ لینا نہ چاہتے تھے۔ اور اُنہوں نے اینٹونیو کی جان بچائی تھی۔ اِس لئے مجبوراً اُنہیں دے دینی پڑیں"۔

اس پر پورشیا اور نریسیا اپنے اپنے خاوند سے بگڑ بیٹھیں۔ اور اُنہیں خُوب دِق کیا۔ اور کہا کہ "تمہیں اب ہم سے محبت نہیں رہی۔ تم دونوں نے ہماری انگوٹھیاں دُوسری عورتوں کو دے دی ہیں"۔

جب وُہ دونوں اُنہیں خُوب تنگ کر چکیں۔ تو پورشیا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اور کہنے لگی "بسینیو دیکھو تمہاری انگوٹھی میرے پاس ہے۔ اور گریشی اینو کی انگوٹھی نریسیا کے پاس محفوظ ہے۔ وُہ بیرسٹر جس نے مقدمے کی پیروی کی تھی۔ مَیں ہی تھی۔ اور نریسیا میری مُنشی تھی۔ ہم نے مردانہ لباس پہن

رکھا تھا"

یہ سُن کر اینٹونیو۔ بیسینیو اور گریشی ایسے حیران
رہ گئے۔ کبھی پورشیا اور نریسیا کا مُنہ تکتے۔ کبھی
ایک دُوسرے کا۔ پھر یکایک وُہ خوشی سے اُچھل
پڑے۔ اس وقت اُن کے دِل خوشی سے اِس
قدر بھرے ہوئے تھے۔ کہ اُن کی زبان پر شکریہ
کا کوئی فقرہ بھی نہ آسکا۔

اِس کے بعد پورشیا نے یکایک اپنی جیب سے
ایک خط نکالا۔ اور کہنے لگی "ابھی مُجھے ایک اَور
خوش خبری سُنانی ہے۔ آج ہی میرے پتہ پر یہ اطلاع
آئی ہے۔ کہ آپ کے دوست اینٹونیو کے سب
جہاز صحیح سلامت واپس آگئے ہیں"

عقلمند قاضی

(۱)

مُلک عرب میں ایک شیخ بارہ بڑے قبیلوں پر حکومت کرتا تھا۔ ہر قبیلے کے جھگڑے کو چُکانے کے لئے اُس نے ایک ایک دانا قاضی مقرّر کر رکھا تھا۔ کیونکہ اُسے گوارا نہ تھا۔ کہ اُس کے عہد میں کسی سے بے انصافی ہو۔ یا کمزوروں کا حق کوئی طاقت ور چھین لے ۔

یُوں تو شیخ کے مقرّر کئے ہوئے قاضیوں میں سے ہر ایک انصاف کرنے میں اپنا جواب نہ رکھتا

تھا۔ لیکن ایک قاضی اپنی عقلمندی اور سُوجھ بُوجھ
کی وجہ سے خاص طور پر مشہور تھا۔ ایک بار شیخ نے
سوچا۔ کہ اِس قاضی کی اتنی تعریفیں ہوتی ہیں۔ مَیں
بھی تو جاکر اس کی عقلمندی کی آزمائش کروں۔ اور
اس کا انصاف دیکھوں۔ یہ سوچ کر اُس نے اپنے
بادشاہی کپڑے اُتار معمولی آدمیوں کے سے
کپڑے پہن لئے۔ اور مُسافروں کی طرح گھوڑے
پر سوار ہوکر قاضی کے شہر کو چل کھڑا ہُوا ٭

(۲)

جب وُہ شہر کے دروازے کے قریب پُہنچا
تو ایک لُولے نے بڑھ کر اُس کا دامن پکڑ لیا۔
شیخ نے فوراً اپنی جیب سے کُچھ سکّے نکال کر لُولے
کو دئے۔ لیکن لُولے نے پھر بھی اُس کا دامن نہ
چھوڑا۔ شیخ کہنے لگا۔ "کیوں بھئی اب کیا چاہتے
ہو"؟

لُولے نے جواب دیا۔ آج میری زندگی اور موت تُمہارے ہاتھ میں ہے۔ جہاں مُجھے جانا ہے۔ وہاں آج میلا لگ رہا ہے۔ اور ظاہر ہے۔ کہ اگر تُم مجھے اپنے گھوڑے پر سوار کر کے وہاں تک نہ پُہنچا آئے۔ تو مَیں ہجُوم کے ریلے میں کُچلا جاؤں گا"۔

شیخ کو لُولے پر بہُت ترس آیا۔ اُس نے ہاتھ بڑھا کر اُسے زمین سے اُٹھا لیا۔ اپنے ساتھ گھوڑے کی پیٹھ پر بٹھا لیا۔ اور روانہ ہو گیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد وُہ جگہ آ گئی۔ جہاں لُولے کو اُترنا چاہیئے تھا۔ تو فی الفور وُہ بولا "ہیں ہیں یہ کیا کر رہے ہو"؟

شیخ نے جواب دِیا "جہاں تُمہیں اُترنا تھا۔ وُہ جگہ آ گئی ہے۔ اِس لیئے اُتار رہا ہُوں"۔

لُولا بولا "میاں۔ ہوش کے ناخن لو۔ گھوڑا میرا ہے۔ مُجھے میرے گھوڑے پر سے اُتارنے

والے تم کون ؟"

شیخ حیران رہ گیا۔ بولا "تم بڑے بے ایمان شخص ہو۔ چپکے گھوڑے پر سے اُتر جاؤ۔ ورنہ میں قاضی کے پاس پکڑ کر لے جاؤں گا"۔

لُولا ہنس پڑا۔ اور بولا "تمہیں معلوم نہیں۔ کہ اِس شہر کا قاضی بہت مُنصف مزاج ہے۔ اگر مقدمہ اُس کے پاس گیا۔ تو یقیناً فیصلہ میرے حق میں ہوگا۔ اور تم عدالت سے ایسی سزا پاؤ گے کہ چھٹی کا دُودھ یاد آجائے گا"۔

شیخ نے جواب دِیا "اگر وہ قاضی منصف مزاج ہے۔ تو فیصلہ تمہارے حق میں کیوں کرے گا۔ میرا گھوڑا میرے حوالے کر دے گا"۔

لُولے نے جواب دِیا "ہے تو وہ بے شک بہت عادِل۔ لیکن بعض اوقات بڑے بڑے تیز فہموں کی عقل چٹنی کھا جاتی ہے۔ لُولا میں ہُوں۔

یا تم ؟ سو گھوڑا میرے پاس ہونا چاہیئے۔ نہ کہ تمہارے پاس۔ سیدھی سادی بات ہے۔ کیا قاضی اسے نہ سمجھ سکے گا ؟"

شیخ نے سوچا۔ چلو قاضی کے عدل و انصاف کو جانچنے کا یہ خوب موقعہ ملا۔ لولے سے کہا" اچھا بھئی چلو" دونوں قاضی کے پاس چلتے ہیں ۔

(۲)

جب دونوں عدالت میں پہنچے۔ تو انہیں معلوم ہوا۔ عدالت میں دو مقدمے پہلے سے پیش ہیں۔ پہلا مقدمہ ایک کسان نے ایک فلسفی کے خلاف دائر کر رکھا ہے۔ فلسفی کا بیان تھا۔ کہ کسان نے میری بیوی چھین لی ہے۔ اور کسان کہتا تھا۔ کہ یہ عورت میری بیوی ہے۔ اور فلسفی مجھ سے چھیننا چاہتا ہے۔ سب سے عجیب بات یہ تھی۔ کہ خود عورت منہ سے کچھ نہ بولتی تھی۔ کہ

کِس کی بیوی ہے۔ یہی وجہ تھی۔ کہ مقدمہ بہت پیچیدہ ہوگیا تھا۔

قاضی نے کسان اور فلسفی دونوں کے بیان بہت غور سے سُنے۔ اور کہا "اچھا اِس عورت کو میرے پاس چھوڑ جاؤ۔ اور کل آکر فیصلہ سُن لینا"۔

دُوسرا مقدمہ ایک قصائی اور تیلی کا تھا۔ تیلی کے کپڑے تیل سے تر تھے۔ اور قصائی کا لباس خُون کے دھبّوں سے لت پت تھا۔ قصائی کہتا تھا۔ کہ مَیں نے اِس تیلی سے تیل خریدا۔ اور پیسے دینے کے لئے اپنی جیب سے کُچھ نقدی نکالی۔ جسے دیکھ کر اُس کا دِل بے ایمان ہوگیا۔ اور اُس نے میری مُٹھی پکڑ کر شور مچا دِیا۔ کہ قصائی نے میری صندوقچی سے روپے نکال لئے ہیں۔ اور مجھے پکڑ کر آپ کے پاس لے آیا۔

تیلی کا بیان تھا۔ کہ حضور اُس نے مجھ سے

تیل کی ایک بوتل خریدی۔ جب میں بوتل میں کاگ لگانے کے لئے اپنی الماری کی طرف مڑا۔ تو اس نے میری صندوقچی میں ہاتھ ڈال کر تمام نقدی نکال لی۔ یہ نقدی لے کر بھاگنے ہی والا تھا۔ کہ میں نے شور مچا دیا۔ اور لوگوں نے اسے پکڑ کر میرے حوالے کر دیا۔ اب میں اسے آپ کے پاس لے آیا ہوں۔

قاضی نے دونوں کے بیان نہایت توجہ سے سُنے۔ اور اُن سے کہا۔ کہ نقدی میرے پاس چھوڑ جاؤ۔ اور کل فیصلہ سُننے کے لئے عدالت میں آجانا۔

قصائی نے روپے قاضی کے ہاتھ میں دے دِئے۔ اور دونوں عدالت سے رُخصت ہوگئے۔

اب شیخ اور لُولے کی باری آئی۔ شیخ کہنے لگا۔ "حضور! میں ایک غریب مُسافر ہوں۔ ایک

اجنبی مُلک سے کچھ تجارت کا مال خریدنے کے لئے آپ کے شہر میں آیا ہُوں۔ راستے میں مُجھے یہ لُولا مِلا۔ اس نے پہلے تو مجھ سے بھیک مانگی۔ اور جب مَیں نے اِسے کچھ نقدی دے دی۔ تو کہنے لگا۔ کہ خدا کے لئے ذرا مُجھے اپنے گھوڑے کی پیٹھ پر سوار کر کے میلے تک پہنچا آئیے۔ ورنہ راستے کا ہجُوم مُجھے روند ڈالے گا۔ اور میرے خُون کا گُناہ آپ کے سر ہوگا۔ مُجھے اِس کی حالت پر رحم آگیا۔ مَیں نے اسے اپنے گھوڑے پر بٹھا لیا۔ جب اِس لُولے کا گھر آیا۔ تو مَیں نے اِسے اُتار دینا چاہا۔ مگر اس نے اُترنے سے انکار کر دِیا۔ اور کہنے لگا۔ کہ مَیں لُولا ہُوں۔ اور گھوڑے پر مجُھے سوار ہونا چاہئے نہ کہ تمہیں۔ اس نے مجُھے یہ بھی دھمکی دی۔ کہ قاضی صاحب میرے حق میں فیصلہ کریں گے۔ کیونکہ ایک اچھے بھلے آدمی

کی نسبت ایک لُولے کے پاس گھوڑے کا ہونا
زیادہ یقینی بات ہے۔ قاضی صاحب میں نے
اصل واقعات آپ کی خدمت میں عرض کر دیئے
ہیں۔ اور میں قسم کھا کر کہتا ہُوں۔ کہ میں نے جو کچھ
کہا ہے۔ اس میں رتی بھر بھی جُھوٹ نہیں ہے"۔
اب لُولے کی باری آئی۔ وُہ کہنے لگا:"قاضی
صاحب! یہ شخص جُھوٹ بک رہا ہے۔ میں اپنے
گھوڑے پر سوار ہو کر آرہا تھا۔ کہ اس شخص کو راستے
میں میں نے اَدھ مُوا پڑا ہُوا پایا۔ مُجھے اُس کی
حالت دیکھ کر رحم آگیا۔ میں نے اسے اپنے
گھوڑے پر سوار کر لیا۔ اور کہا۔ کہ میلے کے قریب
تجھے اُتار دُوں گا۔ لیکن جب میں اسے اُتارنے
لگا۔ تو یہ اُلٹا میرے سر ہو گیا۔ اور کہنے لگا۔ کہ
گھوڑا میرا ہے۔ دیکھئے قاضی صاحب۔ میں نے
اِس کم بخت پر رحم کیا۔ اور اب یہ اُلٹا اپنے

محسن کو تنگ کر رہا ہے۔ مَیں قسم کھا کر کہتا ہُوں۔ کہ میرے بیان کا لفظ سچّا ہے۔ اُمید ہے کہ آپ میرا گھوڑا مُجھے دِلوا دیں گے۔ کیونکہ مَیں نے بڑی مُشکل سے بھیک مانگ کر کئی سالوں میں کُچھ روپے جمع کیئے۔ اور یہ گھوڑا خریدا تھا۔ اگر یہ اِس نے چھین لیا۔ تو مَیں کہیں کا نہ رہُوں گا۔

قاضی سر جُھکا کر بڑے غور سے دونوں کے بیان سُنتا رہا۔ اور جب یہ اپنا اپنا بیان سُنا چُکے۔ تو اُنہیں بھی عدالت سے رُخصت کر دیا۔ اور کہا۔ کہ "کل فیصلہ کروں گا"۔

شیخ نے گھوڑا عدالت کے احاطے میں بندھوا لیا۔ لولا اور شیخ دونوں قاضی کو سلام کر کے عدالت سے رُخصت ہو گئے۔

(۴)

دُوسرے دِن عدالت حاضرین سے کھچا کھچ

بھری ہوئی تھی۔ تینوں مقدمے بہت دلچسپ
پیچیدہ اور انوکھے تھے۔ یہی وجہ تھی۔ کہ شہر کے
تمام زندہ دِل آدمی عدالت میں جمع ہو گئے تھے۔
سب سے پہلے فلسفی اور کسان کا مقدمہ
پیش ہُوا۔ قاضی نے دونوں کو بُلایا۔ اور عورت
کو فلسفی کے حوالے کر کے بولا۔ لے اب اسے
پوری طرح اپنے قابُو میں رکھ "۔

فلسفی عورت کو لے کر جانے ہی والا تھا۔ کہ
قاضی نے مُلازم کو آواز دی۔ اور کہا "اِس کسان
کے پچاس دُرّے لگا دے "۔

نوکر نے فوراً حُکم کی تعمیل کی۔ اور کسان کو دُرّے
لگا کر عدالت سے رُخصت کر دِیا گیا۔

اِس کے بعد تیلی اور قصائی پیش ہوئے۔
قاضی نے نقدی قصائی کے حوالے کر دی۔ اور
تیلی کو پچاس دُرّے لگوا کر عدالت سے دھکے

دِلوا کر باہر نِکال دِیا۔

اِس کے بعد شیخ اور لولا پیش ہوئے۔ قاضی شیخ سے کہنے لگا "اگر تیرے گھوڑے کو پچاس اَور گھوڑوں میں مِلا دیں۔ تو کیا تُو اُن میں سے اپنے گھوڑے کو پہچان لے گا؟"

شیخ کہنے لگا "ہاں حضور خیال تو یہی ہے۔ کہ پہچان لُوں گا۔"

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اور جب پچاس گھوڑے ایک اصطبل میں جمع کر دِئے گئے۔ تو شیخ نے فوراً اپنا گھوڑا پہچان لیا۔

اب لُولے کو بُلایا گیا۔ لُولا بہت عیار تھا۔ اور اُس کا حافظہ بھی غضب کا تھا۔ اُس نے اصطبل میں آکر فوراً شیخ کے گھوڑے کی پیٹھ پر اپنا ہاتھ رکھ دِیا۔ اور کہنے لگا۔ بس حضور یہی ہے میرا گھوڑا "۔

اب قاضی شیخ اور لُولے دونوں کو لے کر عدالت

میں آیا۔ اور اپنی مسند پر بیٹھ گیا۔ شیخ سے کہا۔
"گھوڑا تیرا مال ہے۔ لے جا اسے"۔ اس کے بعد
اپنے ملازم کو بلایا اور کہا۔ اس تولے کے
پچاس دُرّے لگا"۔

نوکر نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ اور تولے کو پچاس
دُرّے لگا دیئے۔ شیخ نے اپنا گھوڑا لیا۔ اور قاضی
کو سلام کر کے خوشی خوشی وہاں سے رُخصت
ہو گیا۔

(۵)

جب قاضی اپنے گھر آیا۔ تو اُس نے شیخ کو
اپنے مکان کے دروازے پر کھڑا پایا۔ قاضی
نے پُوچھا "تم اب یہاں کیوں کھڑے ہو۔ کیا
تمہیں میرا انصاف پسند نہیں آیا"؟

شیخ نے جواب دیا۔ "جی نہیں۔ آپ کا فیصلہ
بالکل ٹھیک تھا۔ بلکہ میں تو آپ کی عقل مندی پر

حیران رہ گیا ہُوں"۔

قاضی نے پُوچھا "پھر میرے مکان پر کیو
آئے ہو"؟

شیخ نے جواب دِیا "مَیں یہ معلوم کرنا چاہ
ہُوں۔ کہ ایسے پیچیدہ مقدمے کا آپ نے اِ
قدر ٹھیک فیصلہ کیسے کر لیا؟ مجھ سے پہلے
مقدمے پیش تھے۔ یقیناً میرے مقدمے کی طر
اُن کا فیصلہ بھی ٹھیک ہی ہُوا ہوگا۔ مَیں مُس
ِسافر کوئی نہیں ہُوں۔ بلکہ آپ کا شیخ ہُوں۔ آپ
عقل مندی اور انصاف کے چرچے مَیں نے سُن ر
تھے۔ لیکن آپ کی لیاقت پرکھنے کا موقع مجھے
نہ مِلا تھا۔ آخر مَیں بھیس بدل کر آپ کو آزما
کے لئے خود آیا۔ اور جیسا سُن رکھا تھا۔ آپ
اس سے کہیں زیادہ مُنصف پایا"۔

قاضی بڑے ادب سے اپنے آقا کے سا

سر جُھکا کر آداب بجا لایا۔ پھر شیخ کو اندر لے گیا۔ عِزّت سے بٹھایا۔ خاطر تواضع کی۔ اور بولا۔"جناب مُجھ سے کِس مقدّمے کے متعلّق سوال کرنا چاہتے ہیں"؟

شیخ نے کہا۔" پہلے مُجھے یہ بتاؤ۔ کہ تُم نے کسان اور فلسفی کے مقدّمے کا فیصلہ کیونکر کِیا"؟

قاضی بولا۔" آپ نے ملاحظہ فرما لیا ہوگا۔ کہ مَیں نے فلسفی اور کسان سے کہا تھا۔ کہ عورت کو میرے پاس چھوڑ جاؤ۔ دُوسرے دِن صُبح سویرے ہی میں نے عورت کو بُلایا۔ اور اُسے حُکم دِیا۔ کہ دوات میں روشنائی ڈال کر لے آئے۔ اور طاق سے ایک کتاب "پُرانے مُنصِف" اُٹھا لائے۔ اُس نے فوراً میرے حُکم کی تعمیل بُہت اچھّی طرح کی۔ پہلے دوات کو دھویا۔ پھر صُوف کو۔ پھر دوات میں روشنائی ڈال کر اسے چاروں طرف سے پُونچھا۔ اور

پھر میرے طاق کی کتابوں کے انبار میں سے
کتاب نکالی۔ جس کی مجھے ضرورت تھی۔ اور دونو
چیزیں میرے پاس لے کر آگئی۔ اس سے میں
نے فوراً پہچان لیا۔ کہ کسی کسان کی بیوی یہ کا
کبھی سرانجام نہ دے سکتی۔ اِس لئے یہ فلسفی
کی بیوی ہو سکتی ہے"۔

شیخ قاضی کا یہ جواب سُن کر حیران سا رہ گیا
بولا "اور قصائی اور تیلی کے مقدمے کا فیصلہ
آپ نے کیونکر کیا"؟

قاضی نے جواب دِیا "میں نے عدالت میں
جو نقدی اُن سے لی تھی۔ اُسے گھر پہنچ کر گرم پا
کے آبخورے میں ڈال دِیا۔ اور دیکھا کہ پانی
اوپر چکنائی آتی ہے یا نہیں۔ اگر پانی کے اُو
چکنائی آجاتی۔ تو یقیناً یہ نقدی تیلی کی ملکیت
ہوتی۔ کیونکہ ناممکن ہے۔ کہ کسی تیلی کی پونجی

کے چکنے ہاتھوں سے بچی رہے۔ لیکن جب مجھے
فی میں چکناہٹ نظر نہ آئی۔ تو میں نے سمجھ لیا۔
کہ نقدی تیلی کی نہیں بلکہ قصائی کی ہے"۔

شیخ قاضی کی سمجھ بوجھ کا قائل ہو گیا۔ بولا" اور
بھلا میرے مقدمے کا فیصلہ کیونکر کیا"؟

قاضی بولا" جب آپ اور عیار تُولا گھوڑے
کے پاس گئے۔ تو میں بہت غور سے دیکھ رہا
تھا۔ کہ کس کے قریب جانے سے گھوڑے پر
کیا اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ میں نے دیکھا۔ کہ جب
آپ گھوڑے کے پاس آئے۔ تو گھوڑا خوشی
سے ہنہنانے لگا تھا۔ اور جب تُولا اُس کے پاس
پُہنچا۔ تو گھوڑا دولتیاں جھاڑنے لگا۔ بس میں نے
فوراً معلوم کر لیا۔ کہ گھوڑا تُولے کا نہیں۔ بلکہ آپ
کا ہے"۔

شیخ نے اُٹھ کر قاضی کو گلے سے لگا لیا۔ اور

کہنے لگا۔ "خدا آپ کو سلامت رکھے۔ جیسا آپ کو سُنا تھا۔ اس سے بڑھ کر پایا۔ آج سے میں آپ کو اپنا بھائی بناتا ہُوں"

چنانچہ شیخ اور قاضی ہمیشہ ایک دُوسرے سے بھائیوں ہی کی طرح ملتے رہے۔ بلکہ شیخ تو اُس کے انصاف کا اِس قدر قائل ہو گیا۔ کہ جب کبھی قاضی اُس کے دربار میں آتا۔ تو اس کی عزّت کرنے کو اپنے تخت پر سے اُٹھ کھڑا ہوتا تھا۔

قاضی اور خلیفہ

(۱)

مُلکِ عرب میں ایک قاضی انصاف میں بُہت مشہور تھا۔ ایک دفعہ ایک غریب بیوہ اُس کے پاس روتی ہوئی آئی۔ بیچاری بیوہ کے پاس صرف ایک گدھا تھا۔ اور اس کے اوپر ایک خالی بورا رکھّا ہُوا تھا۔ قاضی نے پُوچھا "اے عورت۔ تو کیوں روتی ہے؟"

عورت نے جواب دِیا "مَیں غریب ہُوں۔ اور بیوہ ہُوں۔ خلیفہ میری تمام جائداد چھین لینا

چاہتا ہے"۔

قاضی نے پُوچھا۔" بھلا تمہاری جائداد دے

کیا؟"

بیوہ عورت بولی" میرے پاس ایک چھ

سا زمین کا ٹکڑا ہے۔ برسوں سے ہمارے د

پردادا اُس کے مالک چلے آتے ہیں۔ وہی م

مال ہے۔ اور وہی میری کُل جائداد۔ ہم سب

وہیں پیدا ہوئے۔ وہیں پلے۔ شادی بیاہ

اسی جگہ ہوئے۔ وہیں ہنسی خوشی رہے۔

خلیفہ کو اُس زمین کے ٹکڑے کی ضرورت ہے

شاید ایک عالی شان محل بنوانے کا ارادہ

بغیر میری زمین کے کام نہیں چل سکتا تھا۔

لئے مجھ سے چھین رہا ہے"۔

قاضی نے پُوچھا" تو کیا خلیفہ تمہیں اُس

کی قیمت کچھ نہیں دیتا؟"

عورت بولی " خلیفہ نے مجھے قیمت تو دینی چاہی تھی۔ پر میں نے صاف انکار کر دیا تھا میں اپنے باپ دادا کی جائداد کو نہیں بیچنا چاہتی۔ اب اُن کا ارادہ زبردستی لے لینے کا ہے "۔

قاضی بولا " بہت اچھا۔ اپنا گدھا بورے سمیت میرے حوالے کرو۔ اور میرے ساتھ چلو۔ مگر مجھ سے ذرا دُور دُور رہنا۔ جہاں تک مجھ سے ہو سکے گا۔ میں تمہارے لئے کوشش کروں گا "۔

(۲)

یہ کہہ کر قاضی اور بیوہ گدھے کو لے کر چل دیئے۔ جب بیوہ عورت کی زمین کے پاس پہنچے تو قاضی نے عورت کو وہیں ٹھہرا دیا۔ اور آپ گدھا لے کر آگے بڑھا۔ وہاں جا کر دیکھا۔ تو خلیفہ خود موجود تھا۔

قاضی نے نہایت ادب کے ساتھ شاہی

طریقے پر خلیفہ کو سلام کیا۔ اور بولا "حضور اگر جا
کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں"۔

خلیفہ نے کہا "کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟"

قاضی بولا "میں ایک غریب بیوہ عورت
بابت کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں"۔

خلیفہ نے جواب دیا "میں سمجھ گیا۔ جو تم ک
چاہتے ہو۔ میں نے اُس عورت کو قیمت د
چاہی۔ مگر اُس نے نہ لی۔ میں لاچار ہوں۔ و
اُس زمین کے محل کی عمارت میں خرابی رہتی

قاضی بولا "جہاں پناہ۔ آپ کا تمام مُلک
رعیت آپ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ اس
مالک ہیں۔ جو چاہے کیجیے۔ میری صرف ا
عرض ہے۔ کہ وُہ غریب عورت اپنی زمین وا
لینا نہیں چاہتی۔ صرف یہ چاہتی ہے۔ کہ وہا
کی تھوڑی سی مٹی اُس کے پاس رہے۔ تاکہ

کبھی اس کو اپنے پُرانے گھر کی یاد ستائے۔ یا اپنے باپ دادا یا خود اپنی پیدائش کا خیال آئے تو وُہ اس مٹی کو دیکھ کر اپنا دِل ٹھنڈا کر لے۔ اب اگر آپ کی اجازت ہو۔ تو مَیں اُس زمین سے کُچھ مٹی لے کر یہ بورا بھر لوُں۔ اور اس عورت کو دے آؤں"؟

خلیفہ نے کہا۔ "شوق سے بھر لو۔ تُمہیں جتنی مٹّی درکار ہو لے جاؤ"۔

قاضی بورا مٹّی سے بھر رہا تھا۔ اور خلیفہ اُس سے محل، بارہ دری اور باغ وغیرہ کے بنانے کا ذکر کرتا جاتا تھا۔

جب قاضی بورا مٹّی سے بھر چُکا۔ تو ہاتھ باندھ کر خلیفہ سے یُوں عرض کی "جہاں پناہ۔ اِس ناچیز کی ایک درخواست اَور ہے۔ اگر حضور قبُول فرمائیں۔ تو عرض کروں"؟

خلیفہ بولا "ضرور کہو۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟"

قاضی نے کہا "جہاں پناہ۔ مہربانی سے اِس

مٹی کے بورے کو اُٹھوا دیجئے۔ تاکہ میں گدھے

کی پیٹھ پر لاد دوں"۔

خلیفہ حیران ہو کر بولا "ہیں! بھلا یہ ہمارے

کرنے کا کام ہے؟ تمہاری مدد کے لیئے ایک

چھوڑ دس نوکر موجود ہیں۔ ابھی بُلائے دیتا ہوں

وہ اُٹھوا دیں گے"۔

قاضی نے جواب دیا "جی نہیں۔ میری

درخواست حضور ہی سے ہے"۔

خلیفہ بولا "لیکن یہ بورا تو اتنا بھاری معلوم

ہوتا ہے۔ کہ اگر میں اُٹھانے کا ارادہ بھی کروں

جب بھی نہیں اُٹھا سکتا"۔

قاضی نے کہا "اللہ اکبر۔ کیا اتنا چھوٹا سا

بھی جناب سے نہیں اُٹھ سکتا؟ قیامت کا

نزدیک ہے۔ جب تمام دُنیا کے بادشاہ اور تاجدار
اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش ہوں گے۔ جو دو جہان
کا مالک اور نگہبان ہے۔ آج حضور سے اِتنی
تھوڑی سی زمین کی مٹی نہیں اُٹھ سکی۔ تو بھلا کل
قیامت کے دِن اِس ساری زمین کا بوجھ کس طرح
اُٹھ سکے گا۔ اِس وقت اِس زمین پہ جو محل۔ بارہ
دریاں۔ باغ اور نہریں آپ بنانے کا ارادہ کر
رہے ہیں۔ آپ پہ ایسا بھاری بوجھ ہوں گی۔ کہ
آپ کے اُٹھائے ہرگز نہ اُٹھیں گی۔ آپ اپنے
دِل میں یہ خیال نہ کریں۔ کہ غریب بیوہ کی زمین کی
آپ سے پُوچھ گچھ نہ ہو گی۔ نہیں۔ جب یہ مقدمہ
بڑے حاکم کی عدالت میں پیش ہو گا۔ تو پورا پُورا
انصاف کیا جائے گا۔ کسی سے کچھ رعایت نہ
کی جائے گی۔ حضورِ عالی۔ مَیں نے اپنے دِل کی
سچی سچی بات آپ سے عرض کر دی۔ اب آپ

کو اختیار ہے۔ چاہے اِس حقیر کو مار دیجیے یا چھوڑ دیجیے۔
خلیفہ یہ سچی تقریر سُن کر ہکا بکا رہ گیا۔

(۳)

قاضی اُلٹے پاؤں واپس جانے کو تھا۔ کہ خلیفہ نے اُسے روکا۔ اور کہا۔" اے میرے سچے اور نیک صلاح کار۔ خدا تجھے اچھا بدلہ دے۔ تُو نے مجھے سخت بے انصافی اور ظُلم سے باز رکھا۔ میں تمام عُمر تیرا شکر گزار اور احسان مند رہوں گا۔ جا۔ اور بیوہ عورت کو میرے پاس بھیج دے"۔

تھوڑی دیر کے بعد بیوہ عورت خلیفہ کے رُوبرو حاضر ہوئی۔ خلیفہ نے اُس سے معافی مانگی۔ اور کہا۔" اے عورت۔ میں اپنی غلطی سے بہت شرمندہ ہوں۔ میں نے تجھے ناحق تکلیف دی۔ جا۔ میں اِس تکلیف کے بدلے تجھے تیری زمین واپس کرتا ہوں۔ اور اس کی دوگنی قیمت حسبِ

خاص سے اور دیتا ہوں "۔

بڑھیا خلیفہ کی یہ بات سن کر اسے اور قاضی کو ہزار ہزار دعائیں دیتی ہنسی خوشی اپنے گھر چلی گئی ۔

قاضی کا انصاف

(۱)

ایک شخص کے تین لڑکے تھے۔ اُس نے مرتے وقت یہ کہا۔ کہ میرے مرنے کے بعد میرے جتنے اُونٹ ہیں۔ وُہ سب میرے لڑکوں کو اِس طرح بانٹ دِئے جائیں۔ کہ سب سے بڑے لڑکے کو آدھے مِلیں۔ دُوسرے کو تہائی۔ اور تیسرے لڑکے کو نواں حصہ ؛

مرنے کے بعد جب اُونٹ بانٹنے کا وقت آیا۔ تو معلوم ہُوا۔ کہ کل ۱۷ اُونٹ ہیں۔ اب بڑی

قاضی کا انصاف

(۱)

ایک شخص کے تین لڑکے تھے۔ اُس نے مرتے وقت یہ کہا۔ کہ میرے مرنے کے بعد میرے جتنے اُونٹ ہیں۔ وُہ سب میرے لڑکوں کو اِس طرح بانٹ دِئے جائیں۔ کہ سب سے بڑے لڑکے کو آدھے مِلیں۔ دُوسرے کو تہائی۔ اور تیسرے لڑکے کو نواں حصّہ ÷

مرنے کے بعد جب اُونٹ بانٹنے کا وقت آیا۔ تو معلوم ہُوا۔ کہ کل ۱۷ اُونٹ ہیں۔ اب بڑی

مُشکل پیش آئی۔ سترہ کا نہ تو پُورا آدھا ہو سکتا تھا
نہ پُورا تہائی۔ نہ نواں حِصّہ۔ لوگوں نے صلاح
دی۔ کہ تُم تینوں قاضی کے پاس چلے جاؤ۔ اِس
کا فیصلہ وُہ ہی کرے گا ؎

تینوں قاضی کے پاس گئے۔ قاضی صاحب نے
اُن کا قِصّہ سُن کر کہا۔ کہ "ہمارے پاس ایک اونٹ
ہے۔ وُہ لے جاؤ۔ اُس کے مِلانے سے کُل اٹھارہ
اُونٹ ہو جائیں گے۔ اٹھارہ کا آدھا یعنی نو ۹
اُونٹ بڑے بیٹے کو دے دو۔ اور اٹھارہ کی
تہائی یعنی چھ ۶ اُونٹ دوسرے بیٹے کو دے دو۔
اور اٹھارہ کا نواں حِصّہ یعنی دو ۲ اونٹ تیسرے کو
دے دو۔" اب کُل اُونٹوں کا حساب یُوں ہُوا۔ کہ
۹ بڑے بیٹے کو۔ ۶ دُوسرے کو اور ۲ تیسرے کو۔
یہ کُل ۱۷ اُونٹ ہوئے۔ ایک اُونٹ بچ گیا۔ وُہ قاضی
صاحب کا تھا۔ اُنہوں نے واپس لے لیا ؎

قاضی صاحب کی دانائی

(۱)

ایک شخص نے دو سَو روپے ایک ساہُوکار کو امانت کے طور پر رکھنے کے لئے دِئے۔ کُچھ عرصے کے بعد جب اس کو روپے کی ضرورت ہوئی۔ تو ساہوکار کے پاس جاکر اپنی امانت واپس مانگی۔ ساہُوکار نے امانت دینے سے اِنکار کر دِیا۔ اور کہا "بے وقُوف تُو مُجھ پر ناحق تُہمت لگاتا ہے۔ تو نے مُجھے کب روپیہ دِیا تھا؟"

بیچارہ روپے والا شہر کے قاضی کے پاس فریاد لے کر گیا۔ اور کہا "قاضی صاحب میں نے فلانے ساہوکار کو دو سو روپیہ امانت کے طور پر رکھنے کے لئے دیا تھا۔ اب وُہ مجھے نہیں دیتا میرا انصاف کیجئے"۔

قاضی صاحب نے اُس شخص سے ساہوکار کا پتہ نشان معلوم کر لیا۔ اور اُس شخص سے کہہ دیا۔ کہ کل ساہوکار کے پاس جاکر اپنے روپے پھر مانگنا۔

(۲)

اُس شخص کے جاتے ہی قاضی صاحب نے ساہوکار کو بہت عزّت کے ساتھ اپنے پاس بلایا۔ اور کہا "شاہی دربار میں ایک بڑے دیانتدار درباری کی ضرورت ہے۔ میں نے آپ کی ایمان داری کی بہت تعریف سُنی ہے۔ اِس لئے

آپ کو تکلیف دی ہے۔ اگر آپ منظور فرمائیں تو نہایت مہربانی ہو گی۔ مَیں بادشاہ کو لکھ دُوں گا۔ اور آپ کل سے درباری امیر سمجھے جائیں گے۔"

ساہُوکار درباری ہو جانے کی خُوشخبری سُن کر پھُولا نہ سمایا۔ اور بولا "مجھے ہر طرح یہ خدمت منظور ہے۔ اور آپ جب بُلائیں آنے کو حاضر ہُوں۔"

(۳)

دُوسرے دِن صُبح کے وقت روپیہ لینے والا اُس کے پاس آیا۔ تو ساہُوکار اُس سے بُہت اخلاق سے ملا۔ اور بولا "میاں ہم نے جو تمہارا کھاتہ دیکھا تو سچ مُچ ہمارے پاس تمہارے دو سَو روپے جمع ہیں۔ بیٹھو اور گِن کر لے جاؤ۔"

یہ کہہ کر دو سَو روپیہ گِن کر اُس کے حوالے

کر دِیا ۔

اصل میں ساہُوکار کو خوف اِس بات کا پَیدا ہو گیا تھا۔ کہ اگر یہ بات بڑھی۔ اور خبر قاضی صاحب کو پہنچ گئی۔ تو پھر درباری کا عُہدہ مجھے نہ مِل سکے گا ۔

وُہ شخص روپیہ لے کر خوشی خوشی قاضی صاحب کے پاس آیا۔ اور اُن سے کل ماجرا بیان کِیا ۔

(۴)

شام کے وقت ساہُوکار قاضی صاحب سے مِلنے گیا۔ تو قاضی صاحب نے اُس سے کہا۔ "افسوس ہے۔ کہ بادشاہ سلامت نے ایک اَور شخص کو درباری مقرر کر لیا ہے۔ اب آپ کی ضرورت نہ ہو گی۔ آپ تکلیف نہ فرمائیں" ۔

جب ساہُوکار نے یہ سُنا۔ تو اُس کے ہوش اُڑ گئے۔ سمجھ گیا۔ کہ مجھ سے دو سَو روپیہ واپس لینے

کے لئے مجھے چکمہ دِیا گیا تھا۔ وُہ یہ سوچ کر نہایت شرمندہ اور مایُوس اور غمگین گھر واپس چلا گیا ٭

عقلمند کا فیصلہ

(۱)

ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار کسی شہر کے پاس سے گزر رہا تھا۔ راستے میں اُسے ایک بُوڑھا مِلا۔ جو اپنی بطخیں ہانکتا آ رہا تھا۔ سوار ٹھہر گیا۔ بُوڑھے سے اُس نے شہر کا نام اور آگے جانے کا رستہ پُوچھا۔ اور ذرا ایک طرف کو ہو کر آگے چلا۔ تاکہ کوئی بطخ گھوڑے کے پاؤں کے نیچے نہ آ جائے ۔

لیکن کتنی ہی احتیاط کی جائے۔ ہونے والی بات
ہو کر رہتی ہے۔ اِتّفاق سے ایک بطخ پھڑپھڑا کر
اُڑی۔ اور عین گھوڑے کے سامنے جا گری۔ سوار
نے فوراً گھوڑا روک لیا۔ مگر پھر بھی بطخ کی ٹانگ
پر معمولی سی چوٹ آہی گئی ؂

سوار کو بُہت افسوس ہُوا۔ کہ بیچارے غریب
کی بطخ لنگڑی ہو گئی۔ مُڑ کر بُوڑھے سے مُعافی
مانگنے لگا۔ کہ مَیں نے جان بُوجھ کر ایسا نہیں
کیا۔ بطخ خود گھوڑے کے پاؤں میں آ گری تھی
بُوڑھا غُصّے سے پاگل ہو رہا تھا۔ کہنے لگا "میں
کُچھ نہیں سننا چاہتا۔ تم نے میری بطخ لنگڑی کر
دی ہے۔ اس کی قیمت لے کے چھوڑوں گا۔
چُپکے سے ایک روپیہ نکال دو" ؂

سوار نے بڑی نرمی سے جواب دیا۔ "بڑے
میاں۔ اوّل تو اس میں میرا کوئی قصُور نہیں۔

آپ جانتے ہیں۔ میں بطخوں سے پرے پرے
گھوڑا لیئے جا رہا تھا۔ پھر بطخ کو کچھ زیادہ چوٹ
نہیں آئی۔ کچھ دیر بعد بھلی چنگی ہو جائے گی لیکن
میں جھگڑا بڑھانا نہیں چاہتا۔ یہ لیجیئے آٹھ آنے
بطخ بھی اپنے پاس ہی رکھئیے۔ میں اسے کہاں کہاں
لیئے پھروں گا"۔

سوار نے بہتیرا سمجھایا۔ مگر بوڑھا ٹس سے
مس نہ ہوا۔ یہی کہے گیا۔ کہ میں تو ایک روپے
سے کوڑی کم نہ لوں گا۔ بطخ میرے کسی کام کی
نہیں رہی۔ جہاں چاہو لے جاؤ۔ مجھے اس سے
واسطہ نہیں۔

اس پر دونوں میں جھگڑا ہونے لگا۔ سوار
کہتا تھا۔ کہ "اگر تم زیادہ ضد کروگے۔ تو میں آٹھ
آنے بھی نہ دوں گا۔ میں تو پرے پرے جا رہا
تھا۔ تم اپنی بطخوں کو سنبھال کر رکھتے"۔ اِدھر بوڑھا

کہتا تھا۔ کہ "تم نے میری بطخ لنگڑی کر دی ہے۔ اِس کی قیمت لیے بغیر ایک قدم آگے نہ جانے دُوں گا"۔

(۲)

اِتفاق سے شہر کا قاضی اُدھر آ نکلا۔ اُس نے جو اِن دونوں کو جھگڑتے دیکھا تو ٹھہر کر سبب پُوچھا۔ پھر سارا قصّہ سُن کر سوار سے بولا: "تم بطخ لینا چاہتے ہو یا نہیں؟ یہ گھنٹے دو گھنٹے میں بالکل بھلی چنگی ہو جائے گی"۔

سوار بولا: "جی نہیں۔ میں بطخ لے کے کیا کروں گا۔ میرا قصُور تو کچھ ہے نہیں۔ لیکن پھر بھی اسے آٹھ آنے دینے کو تیار ہُوں"۔

قاضی نے کہا: "اچھا لاؤ آٹھ آنے"۔

سوار نے آٹھ آنے جیب سے نکال کر قاضی کے حوالے کیے۔ قاضی نے کہا: "تم اب جاؤ۔

تندرست ہو کر اِدھر اُدھر پھرنے لگی ؟
قاضی کی عقلمندی دیکھئے۔ آٹھ آنے دے کے
سوار کا پیچھا چھوٹ گیا۔ اور بُوڑھے کو بطخ کی
پُوری قیمت مل گئی۔ وُہ بھی خوش خوش دُعائیں
دیتا چلا گیا۔ اِدھر قاضی صاحب کو ایک روپے
کی بطخ آٹھ آنے میں مل گئی ؟

مَیں نے اس کو اشرفیاں تو دے دِیں۔ مگر یہ کہہ دِیا۔ کہ آج سے دس روز بعد مَیں یہ رقم واپس لے لوں گا۔ اس نے دسویں روز قرض ادا کر دینے کا وعدہ کر لیا۔ مگر جب وُہ دِن آیا۔ تو حیلے بہانے کرنے لگا۔ مَیں اِس خیال سے چُپکا ہو رہا۔ کہ دوست ہے۔ آج نہ دے گا۔ کل دے دے گا۔ زیادہ تنگ کرنا مناسب نہیں۔ اِس بات کو آج دو ماہ کا عرصہ ہُوا۔ جب آج مَیں نے تنگ آکر اِس سے تقاضا کیا۔ تو اِس نے اُلٹا مُجھے جھُوٹا بتایا۔ اور کہا۔ مَیں تمہارا قرض ادا کر چُکا ہُوں۔ مَیں یہ سُن کر بہت پریشان ہُوا۔ اور اسے آپ کی خدمت میں لے آیا ہُوں۔ مُجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔ کہ اشرفیاں دیتے وقت کسی کو اپنا گواہ نہ بنایا تھا۔"

قاضی نے یہ سُن کر دُوسرے شخص سے پُوچھا

دانا قاضی

(۱)

ایک دفعہ کا ذِکر ہے۔ کہ شہر بغداد میں دو
آدمی لڑتے جھگڑتے قاضی کے پاس آئے۔ ان
میں سے ایک شخص کے ہاتھ میں ایک لمبا سا ڈنڈا
تھا۔ اور دُوسرا شخص خالی ہاتھ تھا۔

خالی ہاتھوں والے شخص نے قاضی کی خِدمت
میں عرض کی۔ "جناب عالی! کچھ عرصہ ہُوا۔ اِس
شخص نے مُجھ سے دس اشرفیاں قرض مانگیں

ہُوں"۔

قاضی نے مُدّعی سے کہا "تمہیں کُچھ اَور کہنا ہے؟"

مُدّعی نے مایُوس ہو کر جواب دِیا "جب یہ قسم کھا چُکا ہے۔ کہ مَیں نے ادا کر دِیں۔ تو مَیں نے بھر پائیں۔ اب مجھے کُچھ نہیں کہنا"۔

یہ سُن کر بُڈّھے مقروض نے اپنا عصا قرض خواہ کے ہاتھ سے لیا۔ اور قاضی کو سلام کر کے چل دِیا۔

(۲)

قاضی نے اُس کو اس طرح جاتے دیکھا۔ اور پھر قرض خواہ کا چہرہ مُرجھایا ہُوا نظر آیا۔ تو وُہ سوچ میں پڑ گیا۔ آخر حُکم دِیا۔ کہ بُڈّھے کو پکڑ لاؤ"۔

سپاہی اُس کو پکڑ لائے۔ قاضی نے اُس سے کہا "بڑے میاں ذرا اپنا عصا مجھے دِکھانا"۔ بُوڑھے نے اپنا ڈنڈا قاضی کو دیتے ہوئے

کہا "یہ لیجئے"!

قاضی نے بڈھے سے عصا لے کر مدعی کو دے دیا۔ اور کہا۔"لو تمہارا قرض ادا ہوگیا۔ خدا حافظ"!

مدعی بولا" حضور! یہ تو چار آنے کا بھی مال نہیں۔ میرا قرض کیونکر ادا ہوگیا"؟

قاضی نے کہا"ضرور ادا ہوگیا ہے۔ اور اگر اب بھی ادا نہیں ہؤا۔ تو دنیا میں کوئی مجھ جیسا بے وقوف نہیں۔ اس عصا کو توڑ کر دیکھو"۔

مدعی نے عصا توڑا۔ تو اس میں سے دس اشرفیاں نکل پڑیں۔

(۴)

یہ دیکھ کر تمام درباری بہت حیران ہوئے۔ قاضی سے پوچھا۔"حضور کو کس طرح معلوم ہوگیا۔ کہ اس میں اشرفیاں ہیں"؟

قاضی نے کہا۔ "مدّعی کی بات چیت سے
معلوم ہوتا تھا۔ کہ یہ سچا ہے۔ اور اس کا دعویٰ
بھی سچا ہے۔ جب مدّعا علیہ نے قسم کھائی تھی۔
تو اپنا عصا زمین پر رکھنے کی بجائے مدّعی کے ہاتھ
میں دے دیا تھا۔ اور یہ کہا تھا۔ کہ میں نے جو
اشرفیاں قرض لی تھیں۔ وہ میں ادا کر چکا ہوں۔
پھر قسم کھانے کے بعد اپنا عصا واپس لے لیا۔
اِن باتوں سے مجھے شک پیدا ہوا۔ اور جب
میں نے لکڑی کو ہاتھ میں لے کر دیکھا۔ تو اُس
کے وزنی ہونے کی وجہ سے میرا شک اَور بھی
بڑھ گیا۔

نقدی کا تھیلہ

(۱)

ایک بار تین دوستوں نے ارادہ کیا۔ کہ مل کر مویشیوں کی تجارت کریں۔ کسی منڈی سے سستے مویشی خریدیں۔ اور انہیں شہر میں لاکر معقول قیمت پر فروخت کریں ٭

اس خیال سے انہوں نے بہت سا روپیہ ایک تھیلے میں باندھ لیا۔ اور مویشی خریدنے ایک منڈی کو چل کھڑے ہوئے ٭

راستے میں اُن کو ایک گاؤں میں رات آگئی
اُنہوں نے کہا۔ کہ رات یہیں گزار لیں۔ دِن چڑھے
آگے چل دیں گے ۔

گاؤں میں ایک بُڑھیا ملی۔ اُس سے کہا۔ کہ
مائی۔ آج کی رات ہم اِس گاؤں میں ٹھہرنا چاہتے
ہیں۔ پڑ رہنے کو کوئی جگہ ہمیں مل سکتی ہے"؟
بُڑھیا بڑی متواضع اور خوش مزاج تھی۔ اُس
نے اِن تینوں کو بڑی خوشی سے اپنے گھر ٹھہرا
لیا۔ اور جو خاطر تواضع ممکن تھی کرتی رہی ۔
صُبح کو یہ تینوں اُٹھ کر آگے چلنے کے لیئے
آمادہ ہوئے۔ تو گاؤں میں اُنہیں معلوم ہُوا۔ کہ
آگے راستے میں اِن دنوں ڈاکے پڑ رہے ہیں۔
اور روپیہ لے کر سفر کرنا خطرے سے خالی نہیں
ہے۔ یہ سُن کر تینوں بُہت گھبرائے۔ کہ اب
کیا کریں۔ راستے میں کسی ڈاکو نے لوٹ لیا۔ تو

لینے کے دینے پڑ جائیں گے ۔

سوچ سوچ کر طے کیا۔ کہ روپیہ تو یہیں بڑھیا کے پاس چھوڑ دینا چاہیئے۔ خالی ہاتھ منڈی چلیں۔ وہاں مویشی پسند آئیں۔ تو خرید کر اس گاؤں میں لے آئیں۔ اور بڑھیا سے روپیہ لے کر یہاں اُن کی قیمت ادا کر دیں۔ پھر مویشیوں کے مالک جیسے مناسب سمجھیں روپیہ اپنے گھر لے جاتے رہیں ۔

یہ فیصلہ کر کے اُنھوں نے روپوں کا تھیلا بڑھیا کو دے دیا۔ اور کہا۔ "مائی اسے سنبھال کر اپنے پاس رکھنا۔ جب ہم تینوں واپس آئیں۔ تو یہ تھیلہ ہمیں دے دینا۔ لیکن یہ تھیلہ ہمیں تب دینا جب ہم اکٹھے آئیں۔ اگر ہم میں سے ایک یا دو آئیں تو اُن کو ہرگز نہ دینا۔ ہم آگے منڈی میں مویشی دیکھنے کے لیئے جا رہے ہیں"۔

(۲)

اِتّفاق کی بات راستے میں اُن تینوں کی آپس میں لڑائی ہو گئی - لڑائی ہونے کے بعد دو تو آگے منڈی کو چلے گئے - تیسرا یہ کہہ کر واپس ہو گیا - کہ میں گھر جاتا ہُوں - واپس آ کے میرا روپیہ مجھے دے دینا ۔

لیکن یہ شخص گھر واپس نہ گیا - بلکہ لوٹ کر بڑھیا کے ہاں پہنچا - اور اُس سے کہنے لگا - کہ "میرے دوستوں نے مجھے بھیجا ہے - منڈی میں اِس وقت بہت اچھے مویشی موجود ہیں - تھیلہ جلدی دو - تاکہ ہم اُنہیں خرید لیں" ۔

بڑھیا کو یہ ہدایت یاد نہ رہی - کہ تھیلہ اسی وقت دینا ہے - جب تینوں لینے آئیں - چنانچہ اُس نے تھیلہ نکال کر اُس کو دے دیا - وہ خوشی خوشی لے کر بھاگ گیا ۔

چند روز بعد دُوسرے دونوں دوست واپس بُڑھیا کے پاس آئے۔ اور روپوں کا تھیلا مانگا۔

بُڑھیا نے کہا:" تمہارا ایک دوست آیا تھا۔ اور کہتا تھا۔ کہ میرے دُوسرے دوستوں نے مجُھے بھیجا ہے۔ کہ جا کر روپے لے آ۔ مَیں نے روپوں کا تھیلا اُسے دے دِیا"۔

اِن دونوں نے کہا۔ کہ "وُہ تو ہم سے لڑجھگڑ کر آگیا تھا۔ تھیلا لے کر کہیں بھاگ گیا ہوگا۔ ہم تُمہیں کہہ گئے تھے۔ کہ جب ہم تینوں آئیں تب تھیلہ دینا۔ تم نے تھیلہ کیوں اُس اکیلے کو دے دِیا؟"

بڑھیا شرمندہ ہوکر بولی:" مجُھے آپ کی ہدایت بھُول گئی تھی"۔

دونوں دوستوں نے جواب دِیا:" ہدایت بھُول گئی تھی۔ تو اب اِس کا نتیجہ بھُگتو۔ ہمارا روپیہ اپنے پاس سے ادا کرو"۔

بُڑھیا بے چاری اپنی غلطی پر بہت پشیمان تھی۔ لیکن اب کر کیا سکتی تھی۔ دونوں سے معافیاں مانگنے لگی۔ "مجھ سے قصور ہو گیا۔ میں غریب بُڑھیا ہوں۔ مُشکل سے پیٹ پالتی ہوں۔ میرے پاس دینے کو کچھ نہیں۔ مجھے مجبور اور بے آسرا سمجھ کر بخش دو۔"

مگر دونوں دوست کسی طرح نہ مانے۔ اور بُڑھیا کو پکڑ کر عدالت میں لے گئے۔ جج کو اِن دونوں نے سارا معاملہ سُنا دیا۔ جج نے بُڑھیا سے پُوچھا "کیا تُم سے یہ کہہ گئے تھے۔ کہ جب تک ہم تینوں نہ آئیں روپیہ نہ دینا؟" بُڑھیا نے کہا "ہاں یہ تو مجھ سے کہہ گئے تھے۔" جج نے کہا "تو پھر اب ان کا روپیہ پورا کر دو۔"

بُڑھیا بے چاری بڑی عاجزی سے کہنے لگی۔ کہ میں مُفلس قلاّش ہوں۔ میں اِتنا روپیہ کہاں

سے ادا کر دیں"؟

جج نے دونوں دوستوں سے کہا۔ کہ "اگر تم اپنے تیسرے دوست سے روپیہ حاصل کر سکتے ہو تو اِس بڑھیا کو معاف کر ڈالو"۔

وُہ بولے "خدا جانے وُہ شخص اب کہاں ہے۔ اور اُس سے روپیہ وصُول ہو سکتا ہے یا نہیں"۔

جج نے کہا "لیکن اِس بڑھیا کے پاس تو کچھ بھی نہیں۔ اِس سے تم کو کیا مِل سکے گا"؟

دونوں دوست بُہت بپھرے ہوئے تھے۔ بولے "یہ روپیہ ادا نہیں کر سکتی۔ تو اپنے قصُور کی سزا میں قید میں ڈالی جائے"۔

قید کا نام سُن کر بُڑھیا غریب پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگی۔ جج کو اُس کی حالت پر ترس آ گیا۔ کچھ دیر سر جھکائے غور کرتا رہا۔ کہ کیا کرے۔ آخر

کچھ سوچ کر سر اٹھایا۔ اور دونوں دوستوں کو مخاطب کر کے بولا۔" کیا تم اس بڑھیا سے یہ کہہ کر گئے تھے۔ کہ جب تک ہم تینوں واپس نہ آئیں۔ نقدی کا تھیلا نہ دینا "

اُنھوں نے کہا۔" ہاں بے شک۔ بڑھیا سے پُوچھ لیجئے "

جج نے کہا۔" سوچ کر کہو۔ تُم نے کیا کہا تھا۔ کہ کون کون آئے تو روپیہ دینا "

دوستوں نے کہا۔" کہ ہم نے تو یہی کہا تھا۔ کہ ہم تینوں اکٹھے آئیں تو روپیہ دینا "

جج نے کہا۔" تو اب تم کتنے یہاں مَوجُود ہو؟"

یہ سُن کر دونوں دوست حیران رہ گئے

جج نے کہا۔" جب تک تم اپنے تیسرے دوست کو جو نقدی لے کر بھاگ گیا ہے۔ اپنے ساتھ نہ لاؤ گے روپیہ نہیں مل سکتا "

دونوں دوست اپنا سا مُنہ لے کر واپس
چلے گئے۔ اور بُڑھیا جج کو دُعائیں دیتی ہوئی
پنے گھر چلی گئی ٭

دُو مُسافِر

(۱)

ایک مسافر گھوڑے پر سوار ہو کر کہیں دُور
کے سفر پر جا رہا تھا۔ گرمیوں کا موسم تھا۔ صُبح
کے وقت تو مزے مزے سفر کرتا رہا۔ دوپہر کو سُورج
سر پر آن پہنچا۔ تو ایک سایہ دار جگہ دیکھ کر تھم گیا۔
گھوڑے کو ایک درخت سے باندھ دیا۔ اور خو
ٹھنڈی چھاؤں میں لیٹ کر کمر سیدھی کرنے لگا۔
مُسافِر کو آرام کرتے تھوڑی ہی دیر گزری تھی

ہنہنانا اور دولتیاں جھاڑنا شروع کیا۔ دُوسرے
مسافر نے اس کی کچھ پرواہ نہ کی۔ سمجھا تھوڑی دیر
میں تھک کر گھوڑا رُک جائے گا۔ مگر ذرا سی دیر
میں پہلے مُسافر کے گھوڑے نے دُوسرے گھوڑے
کے ایک دولتی ایسی رسید کی۔ کہ وُہ دھم سے گر
پڑا۔ دھوپ میں دَوڑتے سے بے دم تو پہلے
ہی ہو رہا تھا۔ اِس چوٹ کی وجہ سے ذرا سی
دیر میں تڑپ کر جان دے دی ؛
جانور کی یہ حالت دیکھی۔ تو آقا صاحب آگ
بگولا ہو گئے۔ اور لگے پہلے مسافر کو دھمکانے۔ کہ
"میرے گھوڑے کی قیمت دھر دو۔ ورنہ میں نالش
داغ دُوں گا۔ پہلے مُسافر نے بہتیرا کہا۔ کہ "حضرت
اِس میں بھلا میرا کیا قصُور؟ میں نے پہلے ہی
آپ سے کہہ دیا تھا۔ کہ یہاں گھوڑا نہ باندھیے۔
مگر آپ نے میری بات نہ سُنی۔ اب گھوڑا چوٹ

کھا کر مر گیا۔ تو اس میں بھلا میرا کیا قصور"؟
بات بڑھی۔ پہلا مسافر اپنے سفر پر آگے
روانہ ہونا چاہتا تھا۔ لیکن دُوسرے مُسافر نے
اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور کہا۔ کہ "تمہیں میرے ساتھ
قریب کے شہر کے تھانے میں چلنا اور اِس
قصّے کا فیصلہ کرنا ہوگا"۔

پہلا مسافر بیچارہ پریشان ہُوا کہ بیٹھے بٹھائے
سفر میں یہ کیا خلل پڑا۔ لڑ جھگڑ کر بھاگ کھڑا ہونا
اسے شرافت کی بات معلوم نہ ہوئی۔ چنانچہ مجبور
ہو کر اُس کے ساتھ شہر کو چل کھڑا ہُوا۔

دُوسرے مُسافر نے شہر میں پہنچتے ہی پولیس
میں خبر کی۔ اور پہلے مُسافر پر عدالت میں گھوڑے
کی قیمت کی نالش کر دی۔

(۲)

پہلا مسافر شہر کے مجسٹریٹ کے پاس پہنچا۔

اور سارا حال اُسے سُنا کر کہا۔ کہ" مَیں غریب شخص ہُوں اور سفر میں ہُوں۔ نہ میرے پاس اِس وقت روپیہ ہے کہ ادا کروں۔ نہ وقت ہے۔ کہ گھر سے جا کر لے آؤں۔ مَیں بالکل بے قصُور ہُوں۔ آپ خدا کے لئے میری مدد کر کے مجھے اِس مُشکل سے نجات دِلائیے"۔

مجسٹریٹ سارا قِصّہ سُن کر سوچ میں پڑ گیا۔ تھوڑی دیر بعد سر اُٹھا کر بولا: "اگر تُم بے قصُور ہو۔ تو مَیں ایک تدبیر تُمہیں بتاتا ہُوں۔ اس سے سب پر یہ بھی ظاہر ہو جائے گا۔ کہ تُم بے قصُور ہو۔ اور تمہیں اِس مُصیبت سے چھُٹکارا بھی مِل جائے گا"۔

بھلے مُسافر نے بڑے شوق سے پُوچھا: "وُہ کیا تدبیر ہے"؟

جواب میں مجسٹریٹ نے اُس سے کہا۔ "وُہ تدبیر یہ ہے۔ کہ عدالت میں تُم سے جو بھی سوال کر دِل

تم مجھے اس کا جواب ہرگز نہ دینا۔"

مسافر نے حیرانی سے سوال کیا۔" اس کا بھلا کیا نتیجہ نکلے گا۔ مجھے خاموش دیکھ کر ہر شخص دل میں یہی کہے گا۔ کہ یہ ضرور قصور وار ہے۔ اِسی لیئے تو جواب نہیں دیتا۔"

مجسٹریٹ نے کہا۔" تم اس بات پر بحث نہ کرو۔ جو کچھ مَیں نے کہا ہے۔ وُہ تم کردو۔ باقی سب کچھ مَیں کرلوں گا۔"

مقدمہ مجسٹریٹ کے سامنے پیش ہُوا۔ تو فریادی نے اپنی ساری کہانی تو سُنائی۔ لیکن اِس بات کا ذِکر نہ کیا۔ کہ پہلے مُسافر نے مجھے منع کیا تھا۔ کہ اپنا گھوڑا اس کے گھوڑے کے قریب نہ باندھو۔ سارا قصّہ سُنا کر آخر میں مجسٹریٹ سے درخواست کی۔ کہ مجھے اپنے گھوڑے کی قیمت ملنی چاہیئے۔"

مجسٹریٹ کی ہدایت کے مطابق پہلا مُسافر

چپ چاپ کھڑا سب کچھ سُنتا رہا۔ ایک لفظ بھی نہ بولا۔ مجسٹریٹ نے دُوسرے مُسافر کی کہانی سُننے کے بعد اُس کی طرف رُخ کیا۔ اور پُوچھا۔ تُمہارے گھوڑے نے اس شخص کے گھوڑے کی جان لی ہے۔ اس کا نُقصان تُم سے کیوں نہ بھرا جائے؟"

پہلا مسافر اب بھی کچھ نہ بولا۔

مجسٹریٹ نے پھر کہا "میرے سوال کا جواب دو"؟

پہلے مُسافر نے اب بھی کچھ جواب نہ دِیا۔ چُپ چاپ مجسٹریٹ کا مُنہ تکتا رہا۔

مجسٹریٹ نے یہ حالت دیکھی تو کہا "ارے یہ شخص تو بہرا اور گونگا ہے۔ اسے مقدمہ کیونکر سمجھایا جائے"؟

فریادی نے فوراً کہا "حضور یہ تو یُوں ہی بن رہا ہے۔ گونگا اور بہرا کیوں ہوتا۔ خوب اچھی

طرح بول اور سُن سکتا ہے"۔

مجسٹریٹ نے پُوچھا" تُمہیں کیسے معلوم ہُوا"؟

فریادی نے کہا" معلوم کیسے نہ ہوتا۔ مَیں درخت کے قریب آیا۔ تو اِس نے خود مُجھ سے کہا تھا۔ کہ "میرا گھوڑا شرِیر ہے۔ اپنا گھوڑا اس کے قریب نہ باندھو۔ نہیں تو دولتی مارے گا"۔

یہ سُن کر مجسٹریٹ فوراً بولا" اِس نے یہ کہا تھا"؟

فریادی نے کہا" جی ہاں"۔

مجسٹریٹ بولا" تو اس سے ثابت ہو گیا۔ کہ تمہارا گھوڑا تمہاری اپنی غلطی سے مرا ہے۔ اِس نے تُمہیں اپنے گھوڑے کی شرارت کا حال بتا دِیا تھا۔ اور گھوڑا قریب باندھنے سے منع کیا تھا۔ اِس لیئے یہ بے قصُور ہے۔ تُمہارا مقدمہ خارج کِیا جاتا ہے"۔

یہ سُن کر دُوسرا مسافر مُنہ دیکھتا رہ گیا۔ اور جلدی میں جو کُچھ کہہ بَیٹھا تھا۔ اس پر بہت پچھتایا۔ پہلا مُسافر مجسٹریٹ کا شکریہ ادا کرکے اپنے سفر پر روانہ ہوگیا۔

اِنصاف کی بات

ایک چالاک زمیندار کو ایک بار روپے کی ضرورت ہوئی۔ اس کی زمینوں کے برابر ایک سیدھے سادے کسان کی زمینیں تھیں۔ زمیندار نے روپیہ حاصل کرنے کے لئے اُس کسان کو ٹھگنے کا ارادہ کیا۔ اُس سے جا کر کہا۔ کہ "تمہاری زمینوں کے برابر میرا ایک کُنواں ہے۔ اسے تم خرید لو۔ تمہیں اُس سے بہت فائدہ پہنچے گا"۔

کسان نے دِل میں سوچا۔ کہ کُنواں مِل گیا۔ تو

اپنی زمینوں کو بہت آسانی سے پانی دے سکوں گا۔ زمیندار کو مُنہ مانگی قیمت دے کر کنواں خرید لیا۔

لیکن اگلے روز جب کسان کنوئیں پر گیا۔ کہ پانی اپنی زمینوں میں پہنچائے۔ تو زمیندار صاحب فرماتے کیا ہیں۔ "میں نے تیرے ہاتھ کنواں بیچا ہے۔ پانی نہیں بیچا۔ کنواں تیرا ہے۔ اسے رکھ پانی میں اس میں سے نہ لینے دوں گا"۔

زمیندار نے دل میں سوچا۔ کہ اس بحث سے کسان پریشان ہو کر کنواں مجھے واپس دینے پر آمادہ ہو جائے گا۔

کسان بیچارے نے پہلے تو زمیندار کو سمجھایا۔ اور چاہا۔ کہ وہ کسی طرح مان جائے۔ نہ مانا۔ تو مجبوراً اس پر مقدمہ دائر کر دیا۔

زمیندار نے عدالت میں بھی وہی جواب دیا جو کسان کو دیا تھا۔ کہ میں نے کنواں بیچا ہے

نہیں بیچا۔ کِسان کُنواں شوق سے رکھے۔ مگر اپنا پانی مَیں اسے نہ نکالنے دُوں گا"۔

مگر جج صاحب نے کسی بحث میں پڑنے کی بجائے نہایت مُختصر جواب دے کر مقدمے کا فیصلہ کر دِیا۔ اُنہوں نے کہا "بے شک تُم نے کُنواں بیچا ہے۔ پانی نہیں بیچا۔ لیکن جب کُنواں تُمہارا نہیں رہا۔ تو تم نے بیگانے کُنویں میں اپنا پانی کیوں رکھ چھوڑا ہے۔ اسی وقت اپنا پانی نکال لو۔ اور جتنا عرصہ بیگانے کُنویں میں اپنا پانی رکھا ہے۔ اس کا کرایہ ادا کرو"۔

دھوکے باز زمیندار کو مجبوراً کُنواں کِسان کے حوالے کر دینا پڑا۔

سید امتیاز علی تاج پرنٹر پبلشر نے دین محمدی پریس لاہور میں چھپوا کر دار الاشاعت پنجاب لاہور سے شائع کیا۔